شوکت تھانوی

ایک مزاحیہ پاکیزہ ناولٹ

شوکت تھانوی

قیمت
دو روپیہ پچیس پیسے

ناشر
نسیم بک ڈپو - لاٹوش روڈ - لکھنؤ

ٹیلیفون } آفس : ۲۳۵۵۹
رہائش : ۲۵۲۳۴

ناشر: عزیز الرحمٰن (ساتواں اڈیشن اگست ۱۹۷۴ء) پرنٹر: نظامی پریس لکھنؤ

(۱)

میری تعلیم ابھی تشنۂ تکمیل ہی تھی کہ شادی کی جلدی پڑ گئی اور جلدی بھی میرے گھر سے نہیں بلکہ سسرال کی طرف سے اور سسرال میں بھی خود بدولت ہی کو سب سے زیادہ جلدی تھی۔ شادی ٹھہر چکی تھی لیسبت پختہ تھی بلکہ ابا جان تو یہاں تک تیار تھے کہ عقد ہو جائے اور رخصتی کچھ دنوں کے بعد ہو جب تعلیم اس طرح ادھوری نہ رہے گی۔ مگر آپ تھے کہ ہتھیلی پر سرسوں جمائے ہوئے تھے۔ گاڑی چھوٹی جاتی تھی۔ اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ اگر فوراً شادی نہ کر دی گئی تو گویا آپ ہمیشہ کے لئے کنوارے ہی رہ جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابا جان نے اپنی مرضی کے بالکل خلاف میری تعلیم کے متعلق اپنے تمام حوصلوں کو اپنے ان جلد باز داماد صاحب پر قربان کر دیا اور مجھ کو اسکول سے اٹھا کر سسرال بھیج دیا گیا اب بتائیے کہ میرے جہل کی ذمہ داری کس پر ہے مجھ پر؟ میرے والدین پر؟ یا خود ان حضرت پر؟؟؟

مگر استبداد سرشت مرد تو ازلی طور پر اس کے عادی ہیں ہی کہ اپنی تمام لغزشوں اور خامیوں کی ذمہ داری بھی عورت ہی پر رکھ دیں چنانچہ اب

اپنے جہل کی ذمہ دار میں خود تھی اور اپنے خداوند مجازی کے اس معیار پر قطعاً پوری نہ اترتی تھی جو انھوں نے اپنی شریک حیات کے لیے قائم کر رکھا تھا گویا میں ان کی "لضعف بہتر" نہیں بلکہ معنوی حیثیت سے "لضعف بدتر" تھی ۔۔ وہ چاہتے تھے ۔ کہ ان کی بیوی ایک اعلیٰ درجہ کی انشا پردازہ خاتون ہو جس کی ادبیت کا ڈنکا کچھ اس طرح بج رہا ہو کہ اس کے قلم کی جنبشوں کو اردو لٹریچر کا خط تقدیر سمجھا جاتا ہو اور ایسی بحر العلوم بیوی کی ملکیت پر اپنی سوسائٹی میں وہ سرفراز اور نمایاں ہو سکیں تاکہ دنیا ان کو ایک قابل رشک شوہر سمجھے ۔

مگر یہاں یہ حال تھا کہ چند درسی کتب کے آگے صفر کے علاوہ اور کچھ نہ تھا اسکول کے چند درجے پاس کرنے والی لڑکی سے اس قسم کی بلند توقعات ظاہر ہے کہ پوری نہیں ہو سکتیں اور یہی وجہ ہے کہ میں اپنے صاحب ذوق ادب شوہر کی شرعی بیوی تو ضرور تھی ۔ مگر ادبی بیوی ہرگز نہ تھی ۔ اور یہی سبب تھا کہ شوہر کی طرف سے جس التفات کی مستحق ایک بیوی ہو سکتی ہے وہ میری قسمت میں نہ تھا ۔

میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میرے شوہر کا ہر طرز عمل میرے ساتھ خدانخواستہ کچھ ناگوار تھا ۔ یا وہ میرے ساتھ بیرخی برتتے تھے یا حقوق زوجیت میں ان کی طرف سے کوتاہی ہوتی تھی ۔ جی نہیں یہ سب کچھ تھا اور بحیثیت ایک بیوی کے میرے لئے کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی مگر بیوی تنہا بیوی تو نہیں ہوتی وہ اپنے شوہر کی بہترین دوست بھی ہوتی ہے ۔ نہ اپنے شوہر کی سب سے بڑی سوسائٹی ہے اور وہ اپنے شوہر کی جملہ دلچسپیوں کی داخد مرکز ہے اس اعتبار سے اگر میں

یہ کہوں کہ میں ان تعلقات میں کمی پاتی تھی ۔ تو مجھ کو اس کمی کا احساس یقیناً افسوس کے ساتھ ہونا چاہیئے مگر میری حماقت کی داد دیجئے کہ مجھ کو مدتوں اس کا احساس ہی نہ ہوا اور ہوا بھی تو عجیب دلچسپ طریقہ پر۔

ایک روز میں نے بیٹھے بیٹھے سوچا کہ لاؤ ذرا باہر پردا کرائے کمرے کو صاف کرادوں اور تمام چیزیں قرینہ سے رکھ دوں یہ سوچ کر باہر گئی اور کمرہ کو اپنی نگرانی میں صاف کرایا وہاں میز پر ایک رسالہ تاج رکھا ہوا تھا ۔ میں نے اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس میں کروشیا کے چند نمونے دیکھ کر میں اسے ساتھ لیتی آئی اندر آکر جب میں نے اس کو پھر دیکھا تو اس کا ایک قصہ مجھے بے حد پسند آیا جو کسی انشاء پرداز خاتون مسز آصفہ کا لکھا ہوا تھا۔ اس قصہ کو میں نے اس لئے اور بھی پڑھا کہ اگر میرا نام کہیں چھپے تو وہ بھی بالکل یہی ہو اس لئے کہ میرے سرتاج کا نام بھی مسٹر آصف ہی ہے اس مناسبت نے مجھ کو اس قصہ کی طرف متوجہ کیا ۔ اور اب جو میں نے اس کو پڑھنا شروع کیا تو اس کی دلچسپیوں میں ایسی گم ہوئی کہ جب آصف صاحب نے میری پشت پر آکر میرا شانہ جھنجھوڑا ۔ تو میں اس قصہ کی تخیلی دنیا سے واقعات کی دنیا میں آسکی اور رسالہ کو بند کر کے کرسی سے لگ کر کھڑی ہوگئی ۔ آصف صاحب نے مسکرا کر کہا ۔

آج تو آپ کتب بینی میں ایسی مصروف ہیں گویا اس سے زیادہ کسی اور مشغلہ سے دلچسپی ہی نہیں "

میں نے گویا اس کو شرمانے کی بات سمجھ کر کہا " نہیں تو یونہی ذرا ایک قصہ پڑھ رہی تھی بڑا عمدہ ہے "

آصف نے تجسس کے ساتھ کہا " کونسا قصہ؟ جہاز ران والا تو نہیں؟"

میں نے کہا "نہیں یہ آپ کے کسی ہم نام کی بیوی کا لکھا ہوا قصہ "سنہری رات" ہے مجھے بہت اچھا لگا"

آصف صاحب نے مسکرا کر کہا "کیوں قمر یا تم بھی ایسا لکھ سکتی ہو؟"

میں نے مایوسی کے ساتھ کہا "میں بے چاری کیا لکھوں گی"

آصف صاحب نے مرجھا کر کہا "کاش تم لکھ سکتیں مگر لکھنا تو درکنار تم کو تو اس قسم کا ادبی ذوق تک نہیں ہے"

میں نے سادگی کے ساتھ کہا "کہاں سے ہوتا یہ ذوق نہ آپ نے اس ذوق کے پیدا ہونے کی مہلت دی اور نہ خود یہ ذوق پیدا کرایا"

آصف صاحب نے کہا "یعنی ---- کیا مطلب ہے آپ کا"

میں نے کہا "تعلیم ادھوری چھڑا دی اور اس کے بعد اس قسم کی کوئی فضا کبھی نہ پیدا ہوئی"

آصف صاحب نے کہا "تعلیم سے کیا ہوتا ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم سے بھی کم پڑھی ہوئی لڑکیوں کو ایسا ادبی ذوق ہوتا ہے کہ وہ بڑے بڑے انشاء پردازوں کے کان کاٹتی ہیں مگر مصیبت تو یہ ہے کہ لکھنا تو درکنار تم کو تو میں نے اس قسم کے ادبی رسائل اور کتابیں وغیرہ کبھی پڑھتے بھی نہیں دیکھا"

میں نے کہا "میں نے تو آج اس گھر میں پہلی مرتبہ یہ رسالہ پایا ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ میں پڑھ رہی ہوں"

آصف صاحب نے اخلاقاً ہنستے ہوئے کہا "اچھا یہ بات ہے بہتر ہے۔ اب تمام رسالے گھر کے اندر ہی ڈھیر ہوا کریں گے"

میں نے کہا "تو آپ مجھ کو بھی ہمیشہ ان رسائل کی دیمک بنا ہوا

پائیں گے۔"

آصف صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ مضمون تو احسان کی بیوی خوب لکھتی ہے حالانکہ وہ کمبخت سخت جاہل ہے مگر بیوی پائی ہے۔ علامہ اور سراج کی بیوی بھی افسانے اچھے لکھتی ہے اپنی سوسائٹی میں ایک میں ہی ایسا ہوں کہ میری بیوی کو سب کچھ دیا ہے۔ خدا نے مگر ادبیات سے کوئی ذوق نہیں دیا ہے۔"

میں نے معاملہ کی اہمیت اور آصف صاحب کے احساس کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

بیشک میں آپ کے قابل نہ تھی کاش میں بھی ایسی ہوتی کہ آپ اپنی سوسائٹی میں مجھ پر فخر کر سکتے۔ اور مجھ کو بھی انشاء پردازی سے آپ کے دوستوں کی بیویوں کی طرح دلچسپی ہوتی۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ دلچسپی سے زیادہ اس کے لئے اہلیت اور اہلیت سے زیادہ قابلیت کی ضرورت ہے۔ جس سے میں یکسر معرا ہوں۔"

آصف صاحب نے منہ لٹکائے ہوئے کہا۔ "نہ در اصل اتنی قابلیت کی ضرورت ہے جتنی تم سمجھتی ہو نہ اہلیت کی بلکہ اصلی چیز صلاحیت ہے اور وہ تم میں نہیں ہے۔ دنیا کی تمام باتوں کے لئے تم میں صلاحیت ہے مگر انشاء پرداز بننے کی صلاحیت قطعاً نہیں ہے اور چونکہ یہ چیز قدرتی ہوتی ہے۔ لہذا اس میں تمہارا کوئی قصور بھی نہیں ہے۔"

میں نے کہا قصور کیوں نہیں ہے اگر میرا قصور نہ ہوتا تو قدرت مجھ کو یہ صلاحیت ضرور دیتی اس نے اسی لئے تو نہیں دی کہ مجھ کو قصوروار سمجھا۔"

آصف صاحب نے ہنس کر کہا: "بہت عمدہ بات تم نے کہی، کاش تم جیسی باتیں کرتی ہو ویسی ہی لکھ بھی سکتیں ذہین ہو طباع ہو جدت طراز ہو مگر حیرت ہے کہ ادبی ذوق کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے"۔

میں شاید اس گفتگو کو اور بھی طول دیتی مگر چونکہ آصف صاحب اسی وقت اکیڈمی کے جلسہ میں اپنا مضمون پڑھنے کے لئے جا رہے تھے لہذا ان کے لئے کپڑے نکالنے میں مصروف ہو جانا پڑا۔ اور وہ خود بھی اپنی روانگی کی تیاریوں میں محو ہو گئے۔

مگر ان کے چلے جانے کے بعد میں نے آج کی تمام گفتگو اور اس کے پیدا کئے ہوئے اثرات پر غور کیا تو مجھ کو اسی نتیجہ پر پہونچنا پڑا کہ میں خواہ آصف کی کیسی ہی عزیز کیوں نہ ہوں مگر وہ مجھ میں یہ کمی اس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں کہ میری بہت سی خوبیاں محض اس ایک خامی کی وجہ سے ان کے لئے بیکار ہیں۔ انکا حلقہ احباب مشتمل ہے ان افراد پر جو زیادہ تر ادبی ذوق رکھنے والے ہیں اور ان میں اکثر کے یہاں یہ ذوق مردانہ سے زنانہ میں ہے ایسے دوستوں کے سامنے ان کو محض میری وجہ سے سربلند ہونے کا موقع نہیں یعنی کمی تو یہ میری ہے کہ میں ادبی ذوق نہیں رکھتی مگر سوسائٹی میں یہ کمی خود ان کی کمی بن جاتی ہے کہ وہ ایک انشاء پرداز بیوی کے شوہر نہیں ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کوئی جرم نہیں تھا مگر یہ کمی آخر تھی تو میری وجہ سے لہذا میرے لئے یہ خیال از بس ضروری تھا کہ میں اس کمی کو کیوں کر پورا کروں۔

میں نے اس پر غور کیا اور نہایت سنجیدگی سے غور کیا آخر میں اس

نتیجہ پر پہونچی کہ مجھ میں ادبی ذوق قدرتی طور پر موجود ہے۔ مگر چونکہ اس سے اب تک کام نہیں لیا گیا ہے لہذا وہ زنگ آلود ہو چکا ہے۔ ان کو اپنا اسکول کا زمانہ یاد ہے کہ جب میں اردو مضمون لکھتی تھی تو استانی جی سب سے زیادہ میرا مضمون پسند کرتی تھیں اور مجھ کو بھی سب سے زیادہ اردو سے اس لئے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ میری اردو کی استانی نہایت ہی پاکیزہ ذوق رکھنے والی خاتون تھیں اور سخن فہمی بھی ان پر ختم تھی۔ آخر میں اس وقت مضمون لکھ کر خراج تحسین حاصل کر سکتی تھی تو اب کیوں نہ میں اس کی کوشش کروں۔

میں اسی ادھیڑ بن میں تھوڑی دیر تک بیٹھی ہوئی رسالہ کی ورق گردانی کرتی رہی آخر مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میں باہر جا کر آصف صاحب کے کمرہ سے لکھنے کا کچھ سامان لاؤں اور نہایت ہی خفیہ طور پر اس کی مشق آج ہی سے شروع کر دوں کیا عجب ہے کہ میری یہ کوشش کامیاب ہو اور مجھ میں جو شدید کمی محسوس کی جا رہی ہے وہ پوری ہو سکے۔

اسی خیال میں غرق میں باہر کے کمرے میں گئی اور آصف صاحب کی میز پر سے کاغذ اور قلم دوات وغیرہ اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ میری نظر ایک لفافہ پر پڑی جس پر میرا ہی نام اور میرا ہی پتہ لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس لفافہ کو اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔

محترمی بہن تسلیم! آپ کا گرامی صحیفہ اور افسانہ "چینی کی گڑیا" موصول ہوا کیا کہنا ہے۔ نہایت خوب افسانہ ہے آپ کے یہ افسانے یقیناً اردو افسانہ نگاری میں ایک معیار قائم کریں گے آصف صاحب کی

طرف سے جو حوصلہ افزائی تاج کی ہوئی ہے اس کا بھی شکریہ امید ہے کہ
آپ مع الخیر ہوں گی۔ میرے لائق کوئی خدمت :

نیاز مند محمد احسان اڈیٹر رسالہ تاج۔

یہ خط یقیناً میرے نام تھا۔ مگر میں نے تو کوئی افسانہ نہیں بھیجا تھا جس کی
یہ رسید تھی۔ اور نہ میں نے کوئی خط لکھا تھا۔ جس کا یہ جواب تھا پھر آخر یہ قصہ کیا
ہے میں نے حیرت کے ساتھ اس لفافہ کو بند کر کے رکھا ہی تھا کہ ایک اور لفافہ
محمد احسان صاحب اڈیٹر رسالہ تاج کے نام لکھا ہوا نظر آیا اس لفافہ پر ٹکٹ بھی
چسپاں تھا اور اس کے اندر خط بھی لکھا ہوا رکھا تھا۔ صرف سپرد ڈاک کرنے کی دیر
تھی۔ میں نے اس کو بھی فوراً اٹھا لیا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

"بھائی صاحب تسلیم :

سب سے پہلے آصف صاحب کا سلام قبول کیجئے اس کے بعد میرا شکریہ
کہ آپ نے میرے افسانہ کو پسند فرمایا اس افسانہ کے بعد میں ایک اور افسانہ
لکھنے کا ارادہ کر رہی ہوں جس کا عنوان "پتھر کی لکیر" ہوگا۔ مگر یہ افسانہ
میں اس ماہ کے آخر تک روانہ کر سکوں گی میں اچھی ہوں اور آصف صاحب
بھی بخیریت ہیں آج کل ایک مقدمہ کی پیروی میں ایسے مصروف ہیں
کہ ان کو دنیا و ما فیہا کی خبر ہی نہیں تاہم آپ کو سلام کہتے ہیں حالانکہ گھبراہٹ
کا یہ حال ہے کہ بسکٹ کو پینا اور چائے کو چبا کر کھانا چاہتے ہیں"

راقمہ مسز آصف

اس خط کو میں نے پہچان لیا یہ خود آصف صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ ذرا
ہاتھ بگاڑ کر اور خط خراب کر کے لکھا تھا۔ مگر صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ آپ ہی لکھا ہے۔ اور
اب میرے لئے یہ کوئی راز کی بات نہ تھی کہ خود بدولت میرے نام سے مضامین شائع

کراتے ہیں تاکہ سوسائٹی میں ایسی انشاپرداز خاتون کے شوہر کہلا سکیں اور احباب کو ان پر رشک ہو کہ ایسی قابل فخر بیوی پائی ہے۔

میں نے اس خط کو بار بار پڑھا اور آخر کار تمام معاملہ کی تہ تک پہونچکر مجھ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور اسی کے ساتھ ذہن میں ایک ایسی اسکیم آئی کہ میں اچھل پڑی۔ اس لفافہ کو نہایت احتیاط کے ساتھ رکھ کر میں نے اس وقت یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ اس میں سے کاغذ وغیرہ لے جاؤں لہذا چپکے سے گھر میں آگئی اور رات میں چھپے ہوئے افسانہ کو پھر سے پڑھا۔ اور تمام حالات پر از سر نو غور کیا تاکہ اپنی اسکیم کے نشیب و فراز پر غور کر سکوں چنانچہ میں نے ہر حیثیت سے اپنی اسکیم کو پختہ پایا اور اس کو عملی صورت میں لانے کے لئے چپکے چپکے تمام انتظامات کرنا شروع کر دیئے۔

---

(۲)

میری اسکیم دلچسپ تو ضرور تھی بشرطیکہ کامیابی کی توقعات بھی دلچسپی کی حد تک مکمل ہوتیں مگر سوال یہ تھا کہ آخر اس سلسلہ میں اپنا شریک مشورہ یا شریک سازش کس کو بناؤں۔

آصف صاحب نے میرے نام سے جو افسانہ "سنہری رات" کے عنوان سے لکھا تھا اس کا نہایت دلچسپ جواب ایک افسانہ کی صورت میں نہایت محنت کے ساتھ میں نے بھی لکھا تھا۔ اور اس کا نام "اندھیری رات" رکھا تھا۔

آصف صاحب نے اپنے افسانہ میں خوشگوار ازدواجی تعلقات کے سنہرے نتائج کو افسانہ کی صورت میں پیش کیا تھا اور میں نے انھیں تعلقات کی تلخیوں کو نمایاں کر کے ازدواجی تصویر کے تاریک پہلو کو نمایاں کیا تھا۔ اور یہ ثابت کیا تھا کہ مرد نے عورت کو اپنا ایک کھلونا سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح چاہے۔ اس سے کھیلے اور جس طرح چاہے اس کو توڑ کر خاک میں ملا دے۔ در اصل ازدواجی تعلقات کی خوشگواری یا ناگواری سب کی ذمہ دار عورت اور محض عورت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں مرد کا بھی ہاتھ ہوتا ہے۔ اور مرد ہی ان تعلقات کو بنانے یا بگاڑنے کا باعث بنتا ہے۔

بہر صورت میں نے اس افسانہ کو اپنے نزدیک نہایت مکمل بےحد دلچسپ سبق آموز اور آصف صاحب کے افسانہ کا دندان شکن جواب سمجھ کر مکمل کیا تھا۔ مگر ضرورت اس کی تھی کہ کوئی اور بھی اس کو سنتا اور اس کے چھپنے سے قبل کسی اور کی بھی رائے مجھ کو

حاصل ہو جاتی یہ میری پہلی کوشش تھی لہذا قدرتی طور پر میں اس کو کسی کی رائے لئے بغیر رسالہ میں بھیجنے سے ہچکچا رہی تھی۔

میں نے ہر طرف نظر دوڑائی اور آخر مجھ کو اس نتیجہ پر پہونچنا پڑا کہ استانی جی سے بہتر میری مشیر اور کوئی نہیں ہو سکتی وہ خود بھی انشا پرداز تھیں اور اس قسم کی ادبی سازش میں ان سے بہتر اور کوئی حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ لہذا یہ طے کر کے میں نے رسالہ تاج اور اپنا افسانہ ساتھ لیا اور استانی جی کے یہاں خود پہونچ گئی۔

اسکول چھوڑنے کے بعد استانی جی سے پہلی مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لہذا وہ مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں در اصل استانی جی کو مجھ سے بے حد محبت تھی۔ تھیں تو آپ استانی مگر عمر میں تقریباً میری ہی ہم سن ہوں گی اس کے علاوہ اسکول میں بھی میرے اور ان کے تعلقات استاد اور شاگرد کے تعلقات سے کچھ متجاوز اور دوستانہ تعلقات سے فراکم ہمیشہ رہے تھے۔ وہ میرا ہمیشہ سے بے حد خیال رکھتی تھیں۔ اور یہ مشہور تھا کہ ثریا۔ استانی جی سے بہت منہ چڑھی ہوئی ہے۔ بہر حال اس وقت استانی جی مجھ کو دیکھ کر بے ساختہ محبت کے ساتھ لپٹ گئیں اور مجھ کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ جھنجوڑ کر کہنے لگیں۔

"اوہ ری لڑکی تو تو مجھ کو بالکل ہی بھول گئی"

"میں نے کہا" جی اور کیا اگر بھولتی تو آتی کیوں آپ بھی کوئی سبق تھیں کہ میں بھول جاتی"

استانی جی نے ہنس کر کہا ثریا تیری ذہانت ماشاء اللہ اب تک شباب پر ہے کیا خوب کہا ہے کہ آپ بھی کوئی سبق تھیں کہ میں بھول جاتی"

"میں نے کہا استانی جی آپ نے مجھ کو ذہانت کے فریب میں رکھ کر ہمیشہ جاہل رکھا"

استانی جی نے کہا۔" بیشک جتنی تم ذہین تھیں ۔ اس کے مطابق تمھاری تعلیم نہ ہو سکی ورنہ تم یقیناً آج خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچتیں ۔ مگر خیر یہ تمام باتیں تو مقدرات سے ہوتی ہیں ۔ اب یہ بتاؤ کہ تمھارے صاحب تو تم سے خوش ہیں ، انھیں کی عنایات سے تم نے تعلیم چھوڑ دی تھی ۔

میں نے استانی جی کے اس سوال کا جواب تو یہی دیا کہ ہاں وہ مجھ سے اور میں ان سے بیحد خوش ہوں ۔ مگر اسی سلسلہ میں میں نے اس ادبی بحث اور اپنی اسکیم کو بھی مختصر الفاظ میں پیش کر دیا ۔ اور اس سازش میں استانی جی کو شرکت کی دعوت دی استانی جی نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام قصہ سنا اس کے بعد کہنے لگیں ۔

دیکھو ثمرہ تمھاری یہ اسکیم بھی بے دلچسپ ہے اور میں نہایت دلچسپی کے ساتھ اس میں شریک بھی ہوں گی ۔ مگر ایک شرط کے ساتھ اور وہ شرط یہ ہے کہ میرے اور تمھارے تعلقات استاد اور شاگرد کے اول تو کبھی نہ تھے اس لئے کہ اسکول کے زمانہ میں بھی تم ہی میری واحد دوست تھیں مگر وہ بے تکلفی تھی جو سہیلیوں کے درمیان ہوتی ہے مگر وہ رکھ رکھاؤ کبھی نہ تھا جو استاد اور شاگرد کے درمیان ہوتا ہے اس کے علاوہ میں تقریباً تمھاری ہم عمر بھی ہوں ۔ اور اب نہ اسکول کا قصہ ہے نہ کچھ بلکہ تم اپنے گھر کی ہو چکی ہو اور میرا بھی اسکول والا مشغلہ چھوٹ چکا ہے ۔ لہٰذا اب تم مجھ کو نہ تو استانی سمجھو اور نہ یہ کہہ کر مخاطب کرو بلکہ ہم دونوں اب پچھلے تعلقات کو یکسر بھول کر بے تکلف سہیلیاں بن جائیں "

میں نے کہا " اچھا فرض کر لیجئے کہ ایسا ہی ہوا تو بھی میری اسکیم سے اس قرار داد کا کیا تعلق ہے "

استانی جی نے جواب میرے لئے محض بانو بنی ہوئی تھیں کہا "

نہیں میں چاہتی ہوں کہ جس طرح میں تم کو ثریا کہتی ہوں اسی طرح تم مجھ کو بانو کہنے میں ذرا بھی نہ ہچکچاؤ ورنہ میری تمہاری نہ نبھے گی۔"

میں نے کہا: "بہتر ہے محترمہ بانو صاحبہ"

بانو نے کہا: "پھر وہی یہ محترمہ کس جانور کا نام ہے۔ اور صاحبہ کس چڑیا کو کہتے ہیں۔ صرف بانو کہو اس سے انفرادیت اور خلوص کی شان پیدا ہوتی ہے۔"

میں نے کہا "اچھا بانو۔"

بانو نے کہا: "ثریا"

اور ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے گویا استاد اور شاگرد کے رسمی رشتہ کو چھوڑ کر اب ہمجولیوں اور سہیلیوں کا بے تکلف رشتہ ہم دونوں کے درمیان قائم ہو چکا تھا۔

اس جدید رشتہ پر خدا جانے کیوں بانو کو بے حد مسرت تھی مجھ کو تو خیر جو کچھ بھی خوشی تھی وہ محض اس لئے تھی کہ یہ استانی جی تھیں تو میری ہم عمر صاحبزادی بقول شخصے ٹانگ برابر کی چھوکری مگر اب بنی ہوئی تھیں استانی جنکا رعب اخلاقاً ہم سب لڑکیاں قائم کئے ہوئے تھے۔ ورنہ دراصل وہ ہم ہی میں کی ایک معلوم ہوتی تھیں۔ بہرحال اس قدر ہم عمری کے باوجود جو اعتباری حفظ مراتب ہم دونوں کے درمیان تھا وہ اس وقت مٹ گیا اور اس طرح ایک بار گویا۔ ہلکا ہو گیا۔ اب میں نے ان سے کہا "لیجئے سرکار آپ کی یہ شرط بھی پوری ہو گئی ہے۔ اب تو کچھ فرمائیے۔"

بانو نے کہا "ہاں ثریا اب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں بہنیں ہیں اور اب میں تم کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ ہر مشورہ دے سکتی ہوں تمہاری ہر شرارت میں حصہ لے سکتی ہوں اور تمہارے لاٹ صاحب کو بھی ستانے کا رشتہ اب گویا پیدا

ہو گیا ہے۔ اچھا ثریا اب سناؤ اپنا مضمون۔"

میں نے بانو کے کہنے پر اپنا افسانہ "اندھیری رات"، ان کو سنا دیا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ نہایت غور کے ساتھ اس افسانہ کا ایک ایک جملہ سن رہی ہیں اور میرے افسانہ کے پلاٹ میں اپنے تخیلات کو گم کئے ہوئے ہیں میرا افسانہ ٹریجڈی تھا لہذا میں نے محسوس کیا کہ ان پر اس کا ایک نہایت غمناک اثر پڑا ہے۔ بہر صورت افسانہ سنانے کے بعد میں نے ان سے کہا۔

"کہئے اب کیا رائے ہے آپ کی؟"

بانو نے کہا بہن افسانہ تو دراصل قیامت ہے مگر تم نے اس میں صرف تلخیاں ہی تلخیاں بھر دی ہیں۔ مزہ تو جب تھا کہ اس میں کہیں کہیں پر گدگدی بھی ہوتی مگر محض دلچسپی کے اضافہ سے اس افسانہ کی ٹریجڈی پر برا اثر پڑے گا لہذا اس کو تم یوں ہی رہنے دو مگر اب یہ بتاؤ کہ اس کو تم کس نام سے شائع کراؤ گی؟"

میں نے کہا "کیا خوب سوال کیا ہے یہی تمام باتیں تو آپ سے پوچھنا ہیں"

بانو نے کہا "میری رائے یہ ہے اسے تم اپنے ہی نام سے شائع کراؤ اور صرف ثریا اپنا نام لکھ دو۔"

میں نے کہا "اور پتہ کیا لکھوں آپ کے گھر کا؟"

بانو نے کہا "ہاں ہاں کیا مضائقہ ہے اسی پر خط و کتابت ہو گی۔ اب تو گویا یہ سلسلہ چلا ہے اور خدا جانے کب تک چلے گا۔"

میں نے کہا "میں اس سلسلہ کو بہت دنوں تک بصورت راز چلانا چاہتی ہوں اور میری خواہش ہے کہ یہ راز اپنی تکمیل سے قبل افشا نہ ہو تاکہ بجائے خود یہ افسانہ دلچسپ ثابت ہو۔"

بانو نے کہا "مگر اب یہ ہونا چاہئے کہ تم مجھ سے اور میں تم سے بار بار ملتی رہوں

بہر حال اس وقت تو تم اس افسانہ کو بسم اللہ کہہ کے روانہ ہی کر دو اس کے بعد دیکھو کیا صورت ہوتی ہے۔

میں نے فوراً اس افسانہ کو روانہ کر دیا اور اپنے خط میں خاص طور پر لکھ دیا کہ "بہن مسز آصف کے افسانہ کا دوسرا رُخ پیش کر رہی ہوں۔ اور افسانہ کی اشاعت سے قبل ہی یہ لکھ دینا چاہتی ہوں کہ ؎

اس میں جو آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے ترکِ محبت نہیں مجھے

بہر حال چونکہ اس افسانہ کا ایک رُخ یہ بھی ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس کو کیوں نہ پیش کیا جاتا امید ہے کہ بہن مسز آصف معاف فرمائیں گی۔"

اس خط کے ساتھ افسانہ بذریعہ ڈاک روانہ کرنے کے بعد بانو کے اور میرے درمیان دیر تک دلچسپ گفتگو ہوتی رہی وہ اپنی ازدواجی زندگی کی تلخیوں کا رونا روتی رہیں اور میں ان کو سمجھاتی رہی آخر شام کو چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں اپنے گھر آگئی اور آصف صاحب کو حسب معمول باہر ہی پایا۔

میں نے کھڑکی سے دیکھا کہ اس وقت بھی وہاں ایک دربار لگا ہوا تھا۔ کوئی شاعر صاحب اپنا کلام سنا رہے تھے۔ میں خود بھی پہلے تو سنتی رہی مگر چونکہ اس سے کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی لہٰذا آکر بیٹھ رہی۔

---

(۳)

میری انشاپردازی کی ابتدا تھی لہذا قدرتی طور پر مجھ کو نہایت بے صبری
کے ساتھ اپنے افسانہ کی اشاعت کا انتظار تھا اور اس لیے اور بھی منتظر تھی کہ مجھ کو
آصف صاحب کے متعلق یہ فکر تھی کہ دیکھوں ان پر اس افسانہ کی اشاعت کا کیا اثر
ہوتا ہے میں اس عرصہ میں ہانو کے یہاں متعدد مرتبہ گئی اور وہاں زیادہ تر اسی
سازش کے سلسلہ میں گفتگو رہی آخر ایک روز جب میں ان کے یہاں گئی تو انھوں نے
مجھ کو دیکھتے ہی یہ اطلاع دی کہ اڈیٹر صاحب رسالہ تاج کا خط آیا ہے میں نے بھی
اس خط کی خبر سنتے ہی سلام دعا سب کو بھول کر فوراً خط مانگا۔

اس خط میں اڈیٹر صاحب رسالہ تاج نے میرے افسانہ کے متعلق ایسے الفاظ
میں اظہار خیال کیا تھا کہ میری ایسی مبتدی انشاپردازہ کا دماغ اسی ابتدا میں خراب
ہو سکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ انھوں نے یہاں تک لکھا تھا۔ کہ مسز آصف کو آپ
کے قلم کا لوہا ماننا پڑے گا۔ اور اس کے بعد یہ بھی لکھا تھا کہ رسالہ تاج کا کوئی
نمبر آپ کے مضمون سے خالی نہ ہونا چاہئے اور اگر آپ کی ایسی ہی چند
انشاء پرداز خواتین اس رسالہ کو مہیا ہو جائیں تو یہ نہایت فخر کے ساتھ دعوی
کر سکتا ہے کہ اردو لٹریچر کو جو تقویت اردو کی انشاپرداز خواتین سے پہنچ
رہی ہے وہ کسی زبان کے لٹریچر کو خواتین سے نہیں پہنچ سکتی۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کے الفاظ میں میرے ذوق ادب کے اس عہد طفلی کی

حوصلہ افزائیاں کی گئی تھیں۔

میں نے بانو سے کہا: "دیکھا یہ خط۔"

بانو نے کہا: "میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اس افسانہ کو دیکھ کر آپ کے شوہر نامدار کا منہ کھلا کا کھلا رہ جائے گا کہ یہ میری استانی کہاں سے پیدا ہو گئیں۔ اور میں سچ کہتی ہوں کہ ایڈیٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بالکل صحیح لکھا ہے۔ در اصل وہ افسانہ تھا ہی ایسا۔

میں نے ایک بے ساختہ کسر نفسی کے ساتھ کہا: "یہ بھی آپ ہی کا طفیل ہے۔"

بانو نے شرارت سے منہ بنا کر کہا: "بے شک ورنہ آپ تھیں ہی کس قابل۔"

میں نے کہا "آپ تو خیر بناتی ہیں، مگر میں بغیر بنے کہہ رہی ہوں کہ مجھ کو جب کچھ آیا ہے۔ آپ ہی کے طفیل میں آیا ہے۔"

بانو نے کہا: "پھر وہی آپ اور جناب والی بہو دگی تم مانو گی نہیں۔"

میں نے کہا: "اچھا تو سن کہ یہ سب تیری جوتیوں کا صدقہ ہے۔ جبھی تو۔"

بانو نے ہنس کر کہا "اب مزہ تو جب آئے گا۔ جب تیرے میاں اس افسانے کو دیکھیں گے اور ان کو فکر ہو گی کہ اس افسانہ کا جواب کیوں کر دیا جائے۔"

بانو سے اسی قسم کی گفتگو شام تک ہوتی رہی اور اس کے بعد میں اپنے گھر چلی گئی۔

دل میں بے حد خوش تھی کہ رسالہ تاج کے اڈیٹر نے اس افسانہ کو پسند کیا ہے۔ اور اس کے بعد مجھ کو اس افسانہ کی اشاعت کا بے حد انتظار تھا

تاج کی اشاعت کی تاریخ تو آچکی تھی مگر میرا خیال یہ تھا کہ شاید اس نمبر میں
اس افسانہ کو نہ دیا جائے اس لیے کہ ماہناموں میں تو بہت دنوں کے بعد کہیں
نمبر آتا ہے۔ مگر اس خیال کے باوجود میں ہر ڈاک کا انتظار بے حد بے صبری
سے کرتی تھی کہ دیکھوں اب کی تاج میں کیا ہوتا ہے۔
ایک روز میں ڈاک کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور آصف صاحب
بھی گھر کے اندر ہی آرام کرسی پر لیٹے ہوئے اخبار پڑھ رہے تھے کہ ڈاک
آگئی اور اس میں تاج کا تازہ نمبر بھی آیا۔ میں نے لپک کر ڈاک میں سے
اس کو لینا چاہا مگر اس سے پہلے آصف صاحب بھی جھپٹے تو میں نے کہا: ابھی
دیتی ہوں ذرا ایک نظر دیکھ لوں"
آصف صاحب نے بد تمیزی کے ساتھ رسالہ کو چھینتے ہوئے کہا۔ ابھی دیتا
ہوں بس ایک منٹ میں"
یہ کہتے ہی انھوں نے اس کا ریپر فوراً پھاڑ ڈالا اور میرے ذہن میں فوراً
ان کے اضطراب کی وجہ آگئی قصہ دراصل یہ تھا کہ اس پر تو میرا نام تھا نا
اور وہ مجھ سے یہ بات چھپانا چاہتے تھے کہ یہ رسالہ میرے نام آتا ہے ورنہ یہ
راز بھی کھل جاتا کہ میرے ہی نام سے افسانے شائع ہوتے ہیں۔ چنانچہ میرا
یہ خیال صحیح نکلا۔ اس لیے کہ ریپر کے پھاڑنے کے بعد انھوں نے رسالہ
مجھ کو دے دیا۔ اور میں نے اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا سب سے
پہلے میری نظر فہرست مضامین میں اپنے افسانہ کے عنوان پر پڑی اور خوشی
کے مارے میرا دل دھڑکنے لگا میں نے فوراً ورق گردانی کر کے اس افسانہ کو
نکالا! جس پر عنوان اور میرے نام کے بعد ہی پہلے تو یہ جملہ لکھا ہوا تھا
مسز آصف کے سنہری رات کا دوسرا پہلو" اور اس کے بعد ہی اڈیٹر

کی طرف سے ایک طویل نوٹ تھا۔ جو تقریباً انھیں الفاظ پر مشتمل تھا جو ایڈیٹر صاحب اپنے خط میں لکھ چکے تھے۔ البتہ اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مسز آصف کو ایڈیٹر صاحب نے اپنی طرف سے جواب الجواب دینے کا گویا چیلنج دیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی اس نوٹ کو پڑھ کر اس کے صفحات الٹ دیئے اور دوسرے مضامین پڑھنے لگی۔

اب کی مرتبہ آصف صاحب کا یعنی مسز آصف کی طرف سے کوئی مضمون نہ تھا۔ آصف صاحب اس وقت ڈاک کے خطوط دیکھ رہے تھے۔ اور میں چاہتی تھی کہ وہ خط پڑھ چکیں تاکہ رسالہ دیکھنے کو مانگیں اور اس افسانہ کو دیکھیں پہلے تو میں نے ارادہ کیا کہ خود ہی ان کی توجہ اس جانب مبذول کروں مگر یہی مناسب معلوم ہوا کہ وہ خود دیکھیں تاکہ ان کو کوئی شبہ نہ ہو اور ان کی ہر کیفیت کا اندازہ آسانی کے ساتھ ہو جائے۔ آصف صاحب نے خطوط ختم کرتے ہی کہا۔

اب ذرا یہ تاج مجھ کو دے دیجئے؟

میں نے کہا: لیجئے مسز تاج۔

آصف صاحب نے ہنس کر کہا کیا خوب نہایت شاعرانہ بات کہی ہے تم نے کاش اس قسم کی ذہانت تم انشاپردازی میں صرف کرتیں۔

میں نے ایک آہ سرد بھرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا: انشاپردازی مجھ ایسی جاہل کے حصہ میں کیونکر آسکتی تھی۔

آصف صاحب نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی خاموشی سے گویا میری اس حسرت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور رسالہ دیکھنے لگے۔

میں نے دیکھا کہ رسالہ دیکھتے دیکھتے وہ یکایک کچھ چونک سے پڑے اور آرام کرسی پر لیٹے لیٹے ایک مرتبہ وہ گڑبڑا کر اٹھے۔ اور اسی افسانہ کو حیرت کے ساتھ پڑھنے لگے۔ میں نے دانستہ طور پر اپنی تمام توجہ گویا ان کی

نقل و حرکت کی طرف سے ہٹا کر اس ٹی کوزی کی جانب منبدل کر دی جو کروشیا سے میں بنا رہی تھی مگر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ ٹی کوزی کی طرف میرے خیال کا کوئی حصہ بھی نہ تھا۔ اور میں صرف صاحب کے چہرے کے مد و جزر کو دیکھ رہی تھی ٹی کوزی پر کروشیا چل ضرور رہی تھی مگر اس کی خبر نہیں کہ وہ ٹی کوزی پر چل رہی تھی یا اپنی ہیئت تبدیل کر کے موزہ ہو گئی تھی۔

میں آصف صاحب کو دیکھ رہی تھی کہ وہ کبھی تو اس افسانہ کو پڑھتے پڑھتے یکایک آنکھیں پھاڑ دیتے تھے۔ کبھی آنکھیں بند کر کے گویا جھومنے لگتے تھے۔ اور کبھی اس طرح سکتہ کے عالم میں آجاتے تھے کہ اس افسانہ کے الفاظ اپنے اشاروں پر ان کی یہ مختلف کیفیتیں پیدا کر رہے ہیں مگر ان کے چہرے کے اس نشیب و فراز کے متعلق یہ سب کچھ میرا ہی اندازہ تھا لہذا میں خود بھی اس کی منتظر تھی کہ دیکھوں وہ زبان حال سے کیا کہتے ہیں کہ یکایک انھوں نے رسالہ پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ واہ۔ واہ۔ واہ

میں نے پوچھا "کیا ہے؟"

آصف صاحب ایک شاعرانہ انداز سے اپنی آنکھوں میں ایک کیفیت پیدا کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ گویا وجد میں مبتلا تھے۔ میں نے پھر پوچھا "کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟"

کہنے لگے:۔ ایک شاعرہ کا کلام پڑھ رہا ہوں منثور اشعار ہیں ہر جملہ ایک شعر ہے۔ اور واللہ خوب لکھا ہے افسانہ اگر واقعی کسی عورت کا ہے اور ثریا در اصل کوئی مرد نہیں بلکہ عورت ہی ہے تو بلا کی لکھنے والی ہے۔ نفسیات کا نہایت گہرا مطالعہ کرتی ہے۔ اور الفاظ سے اس طرح کھیلتی

ہے کہ مفہوم واقعات کا ایک طلسم بن جاتا ہے۔ بیشک افسانہ نگاری اسی کو کہتے ہیں۔ "از دل خیزد بر دل ریزد" اسی کا نام ہے۔

میں نے اپنے دل کی خوشی کو نہایت اطمینان کے ساتھ ضبط کیا تھا اور اس سے بڑھ کر کمال یہ کیا کہ آصف صاحب کے سامنے حیرت اور تعجب کی کامیاب تمثیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

کس کا افسانہ ہے، ثریا یقیناً عورت ہی ہوگی اس لئے کہ میں خود عورت ہی ہوں ثریا عموماً عورت ہی ہوتی ہے"۔

آصف صاحب نے کہا "نہیں صاحب میرا فیاضانہ اعتراف ہے کہ نہایت خوب لکھا ہے۔ یہ افسانہ خواہ کسی مرد نے لکھا ہو یا عورت نے"۔

میں نے پھر سوالیہ انداز سے کہا کہ کونسا افسانہ ہے۔ کس کا افسانہ ہے مجھے بھی تو سنائیے"۔

آصف صاحب نے کہا "وہ جو پچھلے نمبر میں تمہاری ہم نام مسز آصف کا افسانہ شائع ہوا تھا "سنہری رات" اسی کا جواب تمہاری ایک دوسری ہم نام ثریا نے دیا ہے اس افسانہ کا نام "اندھیری رات" ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ افسانہ ایسا ہے کہ سنہری رات اس کے سامنے گرد ہے۔ ایسا افسانہ لکھنا تو درکنار اگر اس کو پڑھ کر آپ اس کی خوبیوں کو سمجھ بھی جائیں تو میں آپ کے ذوق ادب پر فخر کروں گا۔

میں نے پھر مایوسی کے ساتھ کہا آپ میرا ذکر ضرور کرتے ہیں اور میری اس کمزوری کو بار بار یاد دلانے میں آپ کو کچھ خاص لطف آتا ہے۔ جہاں ایسی ایسی قابل خواتین کا ذکر ہو رہا وہاں میرا آخر کونسا تک ہے"۔

آصف صاحب نے کہا آپ اپنے کو کہتی ہیں میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس

ثریا کے مقابلہ میں بڑے بڑے افسانہ نگار مشکل سے ٹھہر یں گے۔ آپ اس کو پڑھئے گا مگر رسالہ ذرا احتیاط سے رکھئے گا میں پھر اس کو پڑھوں گا اور شام کو یہ افسانہ شاہد اور محبوب کو ضرور سنایا جائے۔ جن کو اپنی افسانہ نگاری پر بڑا ناز ہے "

آصف صاحب تو مجھ کو اس طرح شادی مرگ کی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے اور میں اپنی اس پہلی کوشش کی اس شاندار کامیابی پر گویا دیوانی ہوئی جاتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ تاج کے آئندہ نمبر کے لئے اسی وقت دوسرا افسانہ لکھوں مگر اس جلد بازی کو مناسب نہ سمجھتے ہوئے ارادہ کیا کہ آج بانو کے پاس جانا چاہئے وہاں میرے نام کا رسالہ آیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے لباس تبدیل ہی کیا تھا کہ بانو خود آ گئیں ان کو دیکھ کر میں ان سے لپٹ گئی۔ بانو نے رسالہ میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

ارے یہ دیکھ پہلے کہ میں کیا لائی ہوں تیرے لئے "

میں نے خوشی سے بدستور پاگل ہو جانے والے انداز سے بانو کا منہ چوم کر کہا

میں پہلے ہی اس کو دیکھ چکی اور اپنی اس پہلی کوشش کی پوری قیمت مجھ کو مل گئی۔

بانو نے بھی میری طرح بے قرار ہوتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا کیا تیرے میاں نے پڑھا اس افسانہ کو "

میں نے گردن کی جنبش سے کہا " ہاں "

بانو نے اشتیاق کے ساتھ کہا " اچھا تو پھر۔ پھر کیا کہا انھوں نے "

میں نے شروع سے آخر تک تمام قصہ بانو کو سنا دیا۔ وہ کبھی ہنستی تھی اور

کبھی تالیاں بجاتی تھی ۔ اور کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے دباتی تھی آخر جب میں سب کچھ سنا چکی تو میری پیٹھ پر ایک گھما کا مار کر بولی ۔

"کاش ان میاں جی کو یہ خبر ہوتی کہ یہ افلاطون کی خالہ بقراط کی نانی اور یہ لقمان کی والدہ ان ہی کی ثریا ہے"

میں نے کہا "لقمان، بقراط اور افلاطون سے یہ تمام رشتے تو خیر منظور مگر کیا تینوں حکماء اردو کے سب سے بڑے فسانہ نگار تھے"

بانو نے ہنستے ہوئے کہا "میرا مطلب یہ ہے کہ جس ثریا نے اپنی پہلی ہی جنبش قلم میں ان حضرات کے چھکے چھڑا دیئے وہ بھی ثریا یعنی اس خاکسار بانو کی شاگردہ ہے"

میں نے کہا "بے شک محترمہ استانی جی صاحبہ مدظلہا"

بانو نے آنکھیں بدل کر کہا "پھر وہی بدتمیزی والی گفتگو محترمہ کی سگی اور مدظلہا کی بچی، اری یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تیری استانی خود اگر چاہے تو ایسا افسانہ نہیں لکھ سکتی ۔

میں نے بات کاٹ کر کہا "اب لگی بنانے اچھی بات ہے"

بانو نے سنجیدگی سے کہا "بھئی خدا کی قسم میں سچ کہتی ہوں کہ یہ افسانہ بہت بلند ہے اور بس کا روگ نہیں"

میں نے مارے کسرنفسی کے گفتگو کا رخ تبدیل کرتے ہوئے کہا "آج شام کو یہ افسانہ چند مستند افسانہ نگاروں کو سنایا جائے گا ۔ دیکھیں، وہ کیا تبصرہ کرتے ہیں"

بانو نے کہا "آج ہی شام کو تو پھر میں بھی یہ تماشہ دیکھوں گی"

میں نے کہا "اور نہیں تو کیا میں تم کو چلا بھی جانے دوں گی ۔ استانی ہو گی

تو اپنے گھر گئی مگر میرے گھر کے باہر جو بلا اجازت قدم اٹھایا تو پیر توڑ دوں گی ؛

بانو نے کہا : یہ بات ہے تو کر دوں میں بڑی مس صاحبہ سے رپورٹ تمھاری ؛

میں کھلکھلا کر ہنس دی اور بانو نے بھی قہقہہ بلند کیا ۔ اس کے بعد پھر وہی اسکول کی تذکرے شروع ہو گئے ۔

—— + ——

(۴)

آج بانو کی موجودگی کی وجہ سے گھر کا زنانہ حصہ آصف صاحب کے لئے گویا علاقہ ممنوعہ بن چکا تھا۔ لہذا وہ زیادہ تر باہر ہی رہے اور میں اس انتظار میں رہی کہ ان کے دوستوں کا اجتماع ہو تو میرا افسانہ سنایا جائے اور اس پر ان مستند افسانہ نگاروں کی رائے کا اظہار ہو جو متفقہ طور پر اس وقت اردو لٹریچر کے روح رواں سمجھے جاتے تھے۔ اور جن کی ادبی حیثیت مسلمہ طور پر مستند سمجھی جاتی تھی

احسان صاحب نہ صرف ایک بہترین افسانہ نگار تھے۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ان کی وسیع معلومات کے ساتھ ہی ان کی شگفتہ نگاری نے ان کو ایک امتیازی حیثیت دے رکھی تھی اور اردو کے چند رسائل بھی اس پر فخر کرتے تھے۔ کہ ان کو احسان صاحب کے رشحات قلم میسر ہو جائیں۔

اسی طرح محمود صاحب کو اردو ادب کی دنیا میں دیوتا بنا کر پوجا جاتا تھا اور اہم ادبی معاملات میں ان کی رائے کو قطعی سمجھا جاتا تھا حال ہی میں آل انڈیا اردو کانفرنس میں جو خطبہ انھوں نے پڑھا تھا۔ اس کو ادب اردو میں ایک غیر فانی حیثیت حاصل ہوئی تھی۔

ایسے حضرات کے سامنے آج یہ میری پہلی کوشش پیش ہونے والی تھی۔ اور میرا دل دھڑک رہا تھا کہ دیکھوں یہ حضرات کیا کہتے ہیں۔

بہرحال یہ ایک واقعہ تھا کہ اگر یہ حضرات اس افسانہ کو مشن کر محض اغلاط

سے پاک ہی قرار دیتے تو یہی میرے لئے بہت کچھ تھا۔ اس لئے کہ میں جانتی تھی کہ ان کا معیار بہت بلند ہے۔

میں نے اس تمام دفعہ بیں بانو سے اسی سلسلہ میں گفتگو کی آخر کار جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ احسان صاحب اور محمود صاحب کے علاوہ شمیم صاحب جو ایک خوش گو شاعر تھے اور پنڈت سورج نرائن بیخود بھی آئے ہیں تو میں بانو کو لے کر صاحب کے کمرے میں چلی گئی جس کے باہر ہی صحن میں کیاریوں کے پاس کرسیوں کے ایک حلقہ میں ان صاحبان کی نشست تھی جس وقت میں پہنچی ہوں اس وقت تک اس افسانہ کا ذکر شروع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ شمیم صاحب کے متعلق دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ اور قہقہے بلند کئے جا رہے تھے۔

قصہ در اصل یہ تھا کہ شمیم صاحب اپنی بیوی سے بے انتہا ڈرتے تھے، بس یہ سمجھ لیجئے کہ بیوی کے نام سے ان کی روح نکلتی تھی اور وہ ایسی ظالم کہ ان کو ایسے قابل رحم شوہر پر بجائے رحم آنے کے ہمیشہ ان پر زیادتیاں کرنے کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ آج بھی یہی قصہ پیش تھا کہ شمیم صاحب بغیر ان سے پوچھے ہوئے کسی مشاعرے میں چلے گئے تھے۔ بیگم صاحبہ کو جو خبر ہوئی تو تانگہ بلا کر پہونچیں مشاعرے میں اور عین اس وقت جبکہ آپ کے سامنے شمع آئی اور آپ نے غزل پڑھنے کے لئے بطور تمہید عرض کرتا ہوں کہا ویسے ہی کسی نے آپ کو اطلاع دی کہ تانگہ پر سواریاں آپ کو فوراً بلا رہی ہیں۔ لہٰذا آپ بغیر غزل پڑھے مشاعرے سے غائب ہو گئے۔ اسی پر اس وقت بے چارے بنائے جا رہے تھے۔ وہ خود تو اس واقعہ کی صحت سے انکار کر رہے تھے مگر جرح میں ٹوٹے جاتے تھے۔ اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ کچھ نہ کچھ واقعہ ضرور یہ ہے۔ احسان صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ ہنسنے والوں کو چپ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ ہنستے کیا ہیں خدا کی قسم عورت کا احترام اور بیوی کی تقدیس کا احساس اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ شوہر ڈرے نہیں شمیم صاحب یقیناً بلند معیار شوہر ہیں۔ مگر ان میں کمزوری صرف یہ ہے کہ اپنی خوبیوں کا اعتراف نہیں کرتے یعنی اگر بیوی سے دبے ہیں تو اس کو بھی چھپاتے ہیں"

شمیم صاحب نے بات کاٹ کر کہا: "ارے بھائی تو میں دبا کہاں ہوں"

محمود صاحب نے کہا مطلب یہ ہے کہ آپ دبے نہیں البتہ انھوں نے دبانے کی کوشش کی تھی"

شمیم صاحب نے کہا۔ لاحول ولاقوۃ یہ سب آصف صاحب کا جھوٹ ہے۔ البتہ یہ واقعہ ہے کہ وہ پریشان ہو کر ڈھونڈھنے نکلی تھیں"

آصف صاحب نے کہا: "آج آپ گھر پر کہہ کر تشریف لائے ہیں یا محترمہ تشریف لاتی ہوں گی"

اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا تو شمیم صاحب نے کہا بھائی ہمیشہ یہ نہیں ہوتا اس روز محلہ میں ایک قتل ہو گیا تھا اس لئے ان کو وحشت ہوئی"

آصف صاحب نے کہا: "آپ کی گمشدگی سے ان کو خیال ہوا ہوگا کہ قاتل آپ ہی ہیں مگر اس خیال کے ماتحت ان کو حوالات جانا چاہیئے تھا مشاعرہ میں کیوں پہونچیں"

شمیم صاحب نے کہا: "خدا کرے تو سب کو میری ہی ایسی بیوی ملے اور دکھائی اس قسم کی دیوانہ وار محبت ہر بیوی اپنے شوہر سے ہرگز نہیں کرتی ہے"

آصف صاحب نے کہا: "خدا اپنے ہر بندے کو ایسی ہی بیوی دے مگر اس کی ایسی مامتا سے محفوظ رکھے"

مختصر یہ کہ دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد خود آصف صاحب

اس نے بحث تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

ارے ہاں بھائی احسان آج تو تاج میں ایک غضب ہی کا افسانہ شائع ہوا ہے

محمود صاحب نے کہا آپ کی بیگم صاحبہ کا افسانہ ہوگا؟

آصف صاحب نے کہا: نہیں صاحب میری بیگم بیچاری کس کھیت کی مولی ہے۔ وہ سیدھے سادے افسانے لکھ لیا کرتی ہے مگر یہ تو کوئی چنگوٹ کی خالہ میکسم گورکی کی والدہ اور ٹالسٹائی کی بھی نانی ہے۔ واللہ افسانہ لکھا ہے کہ قیامت برپا کی ہے تم باور کرو کہ اس افسانہ کا ہر لفظ ایک مکمل افسانہ ہے۔ اس لئے نثر میں شاعری کی ہے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اردو کے افسانوں میں بہت کم افسانے اس پایہ کے دیکھے ہیں۔"

احسان صاحب نے کہا: اگر تم اس قدر تعریف کر رہے ہو تو وہ افسانہ یقیناً دیکھنے کے قابل ہوگا اس لئے کہ تم تو کبھی کسی کی تعریف ہی نہیں کرتے اور اس معاملہ میں اس قدر بخیل ہو کہ مجھ کو بعض وقت تمہارے ادبی پندار پر سخت غصہ آتا ہے۔ اب اسی روز تم نے اس بنگالی افسانہ پر ناک بھوں چڑھائی تھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ جس افسانے نے آپ ایسے کافروں کو مسلمان کیا ہے وہ کیا بلا ہے؟"

آصف صاحب نے فوراً رسالہ تاج ہاتھ میں لے کر کہا۔

بھائی اس افسانہ کو آپ لوگ تو بعد میں پڑھیں گے پہلے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو سنا دوں کم سے کم مجھ کو بے حد پسند ہے۔"

یہ کہہ کر آصف نے افسانہ شروع کیا اور سب حضرات ہمہ تن گوش افسانہ سننے لگے۔ یکایک افسانہ سنتے سنتے احسان صاحب نے کہا۔

ذرا پھر پڑھنا یہ جملہ کیا خوب لکھا ہے واقعی یہ ایک شعر ہے۔ اور شعر بھی کسی اردو شاعر کا نہیں بلکہ ہندی شاعر کا کلام ہے یا میر کے نشتروں میں کا

ایک گم شدہ نشتر"۔

آصف نے پھر اس جملہ کو پڑھا۔

ایک سوگوار بیوہ کو اپنے زریں ماضی کی جھلک عروس نو کے گھونگھٹ میں نظر آتی ہے۔ مگر ایک عروس نو اس بیوہ کی سوگواروں کو اپنا سونہاگ مستقبل نہیں بلکہ محض منحوس سمجھ کر اپنی سہاگ کے نشے سے مخمور آنکھوں کو اس کی طرف سے پھیر لیتی ہے"۔

محمود صاحب نے کہا "مجھ کو اس سے پہلے کا جملہ پسند ہے ذرا اس کو پھر سے پڑھو"۔

آصف صاحب نے اس جملہ کو بھی پڑھا۔

اس کو کیا خبر تھی کہ نگاہوں کی انھیں مستیوں کی تہہ میں آنسوؤں کا انبار بھی موجود ہے۔ اور تبسم کی یہی موج جو اس وقت اس کے لب و رخسار پر رقصاں تھی اپنی ہیئت تبدیل کر کے گریہ بن سکتی ہے"۔

آصف صاحب نے جملہ ختم کر کے کہا "ارے صاحب ایک جملہ کہاں تک پڑھوایئے گا شروع سے آخر تک اس میں ایسے ہی نشتر ہیں اور پورا افسانہ حکومت کا سرحدی اسلحہ خانہ معلوم ہوتا ہے آپ اس کو پہلے سن لیجئے پھر نشتر شماری کیجئے گا"۔

یہ کہہ کر آصف صاحب نے مزے لے لے کر اور جھوم جھوم کر تمام افسانہ سنا دیا کہیں پر احسان صاحب پر وجد طاری ہوتا تھا اور کہیں محمود صاحب اپنے گداز زانو پر دوہتڑ مارتے تھے۔ شمیم صاحب اور پنڈت جی کو بھی بڑا لطف آرہا تھا۔ آخر جب افسانہ ختم ہو گیا تو احسان صاحب نے کہا۔

بیشک یہ افسانہ ایسا ہے کہ اس کو اردو کے بہترین افسانوں میں جگہ دی جائے

اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ افسانہ کسی عورت ہی کا لکھا ہوا ہے مرد میں یہ رقت قلب پیدا نہیں ہو سکتی۔

محمود صاحب نے کہا: افسانہ کی افسانویت کو اگر قطع نظر بھی کر دیجئے تو بھی یہ افسانہ لٹریچر کا ایک لازوال جزو ہے۔

شمیم صاحب بولے صاحب یہ ثریا کون صاحب۔

آصف صاحب نے کہا: کیوں صاحب یہ بات کہلواؤں بیگم صاحبہ ہیں۔

شمیم نے کہا: اما لاحول ولا قوۃ مطلب یہ کہ یہ عورت بڑی قابل معلوم ہوتی ہے۔

آصف صاحب نے کہا: اجی وہ کس قابل ہے۔ سب آپ ہی کا فیض ہے

شمیم صاحب نے کہا: مجھ سے کیا مطلب مگر ایک بات ہے کہ عورت شاعرہ بھی ہو سکتی ہے۔

آصف صاحب نے کہا: یہ دریافت آپ نے کیوں کر فرمائی۔

شمیم صاحب نے کہا: بات یہ ہے کہ تمام شاعرانہ خیالات کو نثر میں لکھ جاتی ہے۔ اگر ان ہی کو نظم کر دے تو شاعرہ ہو جائے۔

محمود صاحب نے کہا: کس قدر آسان نسخہ بتایا ہے جناب نے یعنی بالکل مردوں کی طرح لکھتی ہے اگر ذرا مرد ہو جائے تو بس مرد ہو جائے۔

آصف صاحب نے کہا: خیر ان حضرات کے لئے تو سال بھر کا انتظام ہو گیا۔ اسی افسانہ کے خیالات کو نظم کر کے غزلیں خوب ڈھالیں گے۔

ان حضرات میں اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور ادھر بانو مارے بکوٹوں اور چٹکیوں کے میرا برا حال کئے ہوئے تھی۔ آخر کار میں کمرے سے نکل بھاگی اور میرے پیچھے ہی پیچھے بانو دوڑتی ہوئی آئی اور جیسے ہی میں بیٹھی ہوں وہ میرے اوپر آ کر گری۔ میں نے اس کو

ہٹاتے ہوئے کہا۔

خدا کی مار تمھارے اوپر میرے تمام جسم کو تم نے پھوڑے کی طرح دکھا دیا تھا۔ اس قدر چٹکیاں لی ہیں "

بانو نے کہا: "اور باہر جو تعریفوں کے پل باندھے گئے ہیں ان کو عبور کر کے اس وقت تو دماغ عرش معلّٰی پر ہوگا "

میں نے کہا: "احسان صاحب اور محمود صاحب کی تعریف میرے لئے سند ہے "

بانو نے کہا: "اچھا اب تم میری رائے مانو اور وہ یہ کہ ان تعریفوں سے اپنے کو بلند سمجھ کر تم برابر لکھتی رہو اور اپنی مشق بڑھاؤ جب بغیر مشق کے تم نے ان سب سے اپنا لوہا منوالیا تو مشق کے بعد یقیناً تمھارے کاٹے کا منتر نہ ہوگا "

میں نے کہا " میں کل ہی سے تاج کے دوسرے نمبر کے لئے افسانہ شروع کروں گی اور انشاء اللہ اب برابر لکھتی رہوں گی "

بانو نے کہا" مگر کسی دن خوش ہو کر اپنے میاں سے نہ کہہ دینا کہ میں ہی وہ ثریا ہوں۔ جو تم سب کے لئے میری کہ پہیلی بنی ہوئی ہے "

میں نے کہا: "توبہ کرو "

آخر میں نے اس بحث کو چھوڑ کر بانو کے ساتھ کھانا کھایا اور سواری منگا کر خود اس کو پہنچانے گھر تک گئی اور وہاں سے جب واپس آئی تو آصف صاحب کا دربار بھی ختم ہو چکا تھا۔ میں نے ان کو گھر ہی پر پایا۔ وہ کچھ لکھ رہے تھے اور میں نے محض لکھنے کے انداز سے یہ سمجھ لیا کہ وہ کوئی ادبی چیز لکھ رہے ہیں۔ لہٰذا اس اطمینان کے ساتھ کہ وہ تو میں بھی دیکھ ہی لوں گی۔ اپنے بستر پر پہنچ کر سو گئی۔

---

(۵)

میری انشاء پردازی اپنے پورے شباب پر تھی اور اب افسانہ نگاری میرا محبوب ترین مشغلہ بنی ہوئی تھی۔ میں اپنے ہر افسانہ کو نہایت محنت کے ساتھ لکھتی تھی اور میری انتہائی کوشش یہ ہوتی تھی کہ میرے افسانے ہی نہ ہوں بلکہ ان افسانوں میں زندگی کے پیش پا افتادہ واقعات اور روزمرہ کے مسائل بھی طے ہوتے رہیں۔ بہت سے ایسے مباحث میرے افسانوں میں چھیڑ دیئے جاتے تھے۔ جن کو کسی نہ کسی صورت سے حل ہونا ہی چاہئے مگر ان تمام ٹھوس باتوں کے باوجود افسانہ کے تفریحی عنصر اور اسلوب بیان کی دلکشی میں میری کوتاہی نہ ہوتی تھی۔ میرے یہ افسانے مجھ کو خود حیرت ہے کہ بے حد مقبول ہوتے تھے۔ اڈیٹر صاحب تاج تو ان افسانوں پر ایسے نوٹ دیتے تھے کہ گویا یہ افسانے ایک ایسی عورت کے نہیں ہیں جو تعلیم میں بھی ناقص ہے اور ادبیات میں بھی مبتدی بلکہ کسی ایسے مشتاق اور صاحب طرز افسانہ نگار کے افسانے ہیں جن کو اردو زبان کی تاریخ لکھنے والے کبھی فراموش نہیں کر سکتے مگر میں احسان صاحب کی اس رائے سے متفق تھی کہ افسانے اچھے تو ضرور ہوتے ہیں۔ مگر ان کی اتنی مقبولیت کا راز صرف یہ ہے کہ یہ افسانے ایک عورت کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ میری حوصلہ

افزائی محض اس لئے ہو رہی تھی کہ میں ایک خاتون ہوں ورنہ اس سے بہتر اور بہت افسانے میں نے دیکھے تھے اور دیکھتی رہتی تھی۔

بہرحال میں تو یہ دیکھ رہی تھی کہ خود آصف صاحب کو تو گویا اس افسانہ نگار ثریا سے ایک قسم کی عقیدت سی ہو گئی تھی۔ اور ان کے باقی احباب بھی ثریا ہی کا دم بھرتے تھے۔ مگر اب ایک دلچسپ قصہ یہ شروع ہو گیا تھا اور تو اور خود آصف صاحب کا یہ حال تھا کہ بغل میں بچہ اور شہر میں ڈھنڈورا چنانچہ ایک روز میں نے خود ان کی میز پر اڈیٹر صاحب تاج کے نام اس مضمون کا ایک خط دیکھا کہ وہ ثریا بیگم کا پتہ اس لئے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مس یعنی مسز آصف ان سے ملنے کے لئے بیقرار ہیں۔

یہ خط مجھ سے چھپایا گیا تھا۔ بلکہ اس حد تک چھپایا گیا کہ جب میں اس خط کے دیکھنے کے بعد دوسرے دن باہر کے کمرے میں آصف صاحب کی موجودگی میں گئی تو انھوں نے جو چیز سب سے پہلے بلاٹنگ پیڈ کے نیچے چھپائی وہ یہی خط تھا میں ان کی اس احتیاط پر مسکرا کر رہ گئی مگر اسی کے چھٹے روز اڈیٹر صاحب تاج کا جو خط آیا وہ سب سے پہلے میرے ہی ہاتھ میں پہونچا اس میں انھوں نے بانو کے گھر کا پتہ لکھ دیا تھا۔ کہ مسز آصف سے محترمہ ثریا بیگم ضرور مل کر خوش ہوں گی۔ میں خود ان کو بھی لکھ رہا ہوں۔

میں نے اس خط کو دیکھ کر چپکے سے اس طرح رکھ دیا کہ گویا کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔ اور آصف صاحب نے بھی اس کا کوئی ذکر مجھ سے نہ کیا البتہ اس کے چار یوم بعد بانو نے مجھ کو ایک پرچہ لکھ کر بلایا کہ:-

نہایت ضروری کام ہے فوراً چلی آؤ۔"

چنانچہ میں اسی وقت بانو کے یہاں چلی گئی ۔ بانو نے مجھ کو دیکھتے ہی
دور ہی سے بے ساختہ یہ مصرع پڑھا ۔ ؎

تجھ ہی سے تجھے مانگنا چاہتا ہوں

میں نے بن کر تجاہل عارفانہ کے ساتھ کہا "کیا مطلب ؟"
بانو نے مجھ کو چمٹا کر کہا "اب تو آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ
چراغ لے کر تجھے ڈھونڈھنے لگے ہیں "
بانو نے فوراً اپنا اٹیچی کیس کھول کر آصف صاحب کا خط اور اڈیٹر صاحب
تاج کا خط نکالا ۔ میں نے یہ دونوں خط دیکھے ۔
اڈیٹر صاحب تاج کا خط تو محض تعارفی تھا ۔ جس میں مسز آصف سے
میرا تعارف کرایا گیا تھا ۔ یعنی مجھ ہی کو مجھ سے متعارف کیا تھا ۔ دوسرا خط
جو آصف صاحب نے مسز آصف بن کر لکھا تھا ۔ وہ نہایت دلچسپ تھا ۔ لہذا
اس کو من وعن پیش کر دینا ہی مناسب ہے ۔

آصف منزل لال باغ لکھنؤ

۱۵ / جنوری ۱۹۳۷ء

محترمہ بہن صاحبہ

ایک اجنبی بہن کا سلام قبول کیجیے ۔ میں کون ہوں اس کا جواب
صرف اسی قدر کافی ہے کہ آپ کی پرستار اور آپ کے سحر
فسانہ نگاری کی ایک مسحورہ ۔ میرا نام مسز آصف ہے اور
میں رسالہ تاج میں ذرا مشق کرتی ہوں میں نہیں کہہ سکتی کہ
آپ سے ملنے کے لئے کس قدر بیقرار ہوں ۔ اور میرا یہ
جذبہ کس قدر بے اختیار ہے ۔ اس کا اندازہ خود آپ

نہیں فرما سکتیں آپ اسی لکھنؤ میں ہیں لیکن یقین جانیئے کہ اگر آپ لکھنؤ کے باہر بھی ہوتیں تو ہم اسی طرح زیارت کے لئے سر کے بل حاضر ہوتی جس طرح سے خوش اعتقاد جاتری تیرتھ کو جاتے ہیں کیا آپ مجھ کو یہ اعزاز عطا کر سکتی ہیں کہ کسی روز میرے غریب خانہ کو کسی رشک مسیحا کا مکان بنا دیں۔ اور اس کی زمین کو چہارم آسمان ہونے کا موقع دیں اگر کسی وجہ سے یہ ناممکن ہو تو مجھ کو ہی حاضری کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ بہر حال میری پہلی درخواست مقدم ہے اور آخری موخر۔

آپ کی پرستار
مسز آصف

میں اس خط کو دیکھ کر بہت ہنسی اور مجھ سے پہلے ہی سے بانو ہنس رہی تھی۔ میں خط ختم کر چکی تو بانو نے کہا۔
بتاؤ اب اپنے ان سے کب ملو گی؟
میں نے کہا" سوال یہ ہے کہ میں اپنے یہاں یا اپنے کو اپنے یہاں بلاؤں"
بانو نے کہا" یہ سوال تو کسی ایسے شخص سے پوچھنے کا ہے۔ جو مسئلہ وحدت الوجود پر پورا عبور رکھتا ہو"
میں نے کہا" اس خط کا میں ابھی جواب لکھتی ہوں"
بانو نے کہا" کیا لکھو گی۔؟"
میں نے کہا" میں پہلے لکھے لیتی ہوں۔ اس کے بعد تم دیکھنا اور اس پر اپنی رائے دینا"

بانو نے مجھ کو پیڈ اور قلم دے دیا اور میں نے جواب لکھ دیا۔

لاٹوش رنڈ لکھنؤ ۲۱ر جنوری ۳۷ء

بہن تسلیم۔

یاد آوری کا شکریہ! آپ کی اس کوشش میں کیا کم سحر ہے آپ خواہ خود تشریف لائیں یا میں حاضر ہو جاؤں مگر خدا کے لئے جاتریوں کی طرح نہیں اس لئے کہ سر منڈانے سے اور اس کے تخیل سے مجھ کو وحشت ہوتی ہے۔ میری رائے میں آپ خود میرے مکان کو چرخ چہارم بنائیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر اس میں کچھ اعتراض ہو تو میں خود حاضر ہو سکتی ہوں۔

آپ کی ثریا

اس خط کو بانو نے بھی پسند کیا چنانچہ اس کو اسی وقت سپرد ڈاک کر دیا گیا اس کے بعد بانو قیاس آرائیاں شروع کر دیں کہ اب یہ خط کیوں کر مجھ کو دکھایا جائے گا۔ اور آصف صاحب اس خط کو دیکھ کر مجھے کس کس طرح ثریا بیگم سے ملنے کے لئے ٹریننگ دیں گے۔ دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں آخر جب میں چلنے لگی تو بانو نے کہا۔

آصف صاحب اس خط کے سلسلے میں جو کچھ کہیں وہ سب لفظ بہ لفظ یاد رکھا جائے تاکہ اس کو من وعن دہرایا جا سکے۔

میں نے بانو سے وعدہ کیا اور اپنے گھر چلی آئی دوسرے روز صبح ہی کی ڈاک میں وہ خط آگیا۔ اس لئے کہ آصف صاحب نے دس بجے کے

قریب مجھ سے کہا کہ۔

مجھے آپ سے چند خاص باتیں کرنا ہیں۔ ذرا ہر طرف سے مطمئن ہو کر مجھ سے باتیں کر لیجیے۔"

میں نے اپنے کو بالکل فارغ اور مطمئن ظاہر کرتے ہوئے کہا "فرمایئے۔ جو کچھ کہنا ہو مجھے اس وقت کوئی کام نہیں ہے۔

میرے تخت کے قریب کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگے "وہی افسانہ نگار ثریا جن کے افسانے آج کل بیحد مقبول ہو رہے ہیں آپ سے ملنا چاہتی ہیں"

میں نے گویا تعجب کے ساتھ چونک کر کہا "مجھ سے؟"

آصف صاحب نے کہا "ہاں آپ سے ملنا چاہتی ہیں قصہ در اصل یہ ہے آج میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں عرصہ سے آپ کے نام سے افسانے لکھ لکھ کر رسالہ تاج میں چھپوا رہا ہوں یہ مسز آصف در اصل آپ ہی ہیں اور رسالہ بھی آپ ہی کے نام آتا ہے، اب ثریا بیگم کو بھی آپ ہی کی طرف سے خط لکھا گیا تھا کہ وہ خود آئیں یا آپ کو بلائیں چنانچہ وہ دونوں صورتوں کے لئے تیار ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کیا صورت مناسب سمجھتی ہیں"

میں گویا نقش حیرت بنی ہوئی یہ تمام باتیں سن رہی تھی چنانچہ جب آصف صاحب خاموش ہو گئے تو بھی میں منھ اٹھائے بیٹھی رہی۔

آصف نے کہا "ارے صاحب کچھ بتایئے"

میں نے کہا "میں آخر کیا بتاؤں۔ آپ نے میری طرف سے مضامین لکھ لکھ کر مجھ کو اتنی قابل عورت ثابت کیا ہو گا کہ اب قابلیت کو نباہنا مشکل ہو جائے گا۔ میں یہی تو سوچ رہی ہوں کہ ثریا بیگم ایسی قابل خاتون

سے کیوں کر بات چیت کروں گی۔"

آصف صاحب نے متفکر ہو کر کہا "مجھے خود آپ کی طرف سے یہ اطمینان نہیں ہے کہ اگر ثریا بیگم نے معمولی گفتگو کے علاوہ کوئی ادبی مسئلہ چھیڑ دیا تو آپ کیا کریں گی۔"

میں نے کہا "مجھ جاہل کو آخر آپ نے اتنا آسمان پر چڑھایا ہی کیوں"

آصف نے الجھ کر کہا "صاحب گدھا پن کیا مگر اب اس حماقت کو نباہنا ہی پڑے گا۔"

میں نے کہا "میں اپنے نزدیک تو ایسی کوئی بات نہ ہونے دوں گی۔ جس سے آپ کو شرمندہ ہونا پڑے۔ یا وہ ہنسیں لیکن بے ساختگی میں کوئی بات ہو گئی تو۔"

آصف صاحب نے کہا "دیکھئے اس کی ایک ترکیب ہے اور وہ یہ کہ اول تو آپ ہی ان کو بلائیں دوسرے جب وہ آجائیں تو جہاں تک ہو سکے ان سے کوئی علمی۔ ادبی گفتگو ہی نہ کریں بلکہ ادھر ادھر کی باتوں میں انکو لگائے رکھیں اور اگر کوئی ایسی گفتگو پھر بھی زیر بحث آجائے تو بس ہاں ہوں جواب دے کر اس بحث کو جلد سے جلد ٹال دیں میرے خیال میں اتنا تو آپ کر ہی سکتی ہیں۔"

میں نے کہا "آپ انکو بلائیں میں انشاء اللہ کوئی شکایت کا موقعہ پیدا نہ ہونے دوں گی۔ مگر آپ نے بھی سچ مچ میرے لئے ایک مصیبت پیدا کر دی ہے۔ کاش میں اس قابل ہوتی۔ کہ اس حیثیت کو نباہ سکتی۔"

آصف صاحب نے کہا "خیر آپ ہوتیں یا نہ ہوتیں یہ تو ایک دوسری چیز ہے۔ مگر اب تو آپ کو نباہنا ہی پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ

کو کچھ باتیں خاص طور پر بتا دوں تاکہ آپ اُن سے وہی باتیں کریں "

میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا "بہتر صورت تو یہ ہے کہ آپ اس وقت ثریا بیگم بن جائیں اور مجھ سے باتیں کریں پھر دیکھیں کہ میں کیونکر باتیں کرتی ہوں "

آصف صاحب نے کہا "نہیں اس کی کیا ضرورت ہے آپ تو صرف چند خاص خاص باتیں بتا دیجئے کہ جب وہ آئیں گی تو آپ کیا کریں گی "

میں نے کہا کہ میں دروازہ تک جاکر ان کو لاؤں گی اور جب میرا ان کا سامنا ہوگا تو میں سلام کردوں گی "

آصف صاحب نے بات کاٹ کر کہا "سلام ولام نہیں بس مسکرا کر صرف یہ شعر پڑھئے گا۔

وہ آویں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

میں نے شعر کو دہراتے ہوئے کہا "بس یہ شعر پڑھ دوں "

آصف صاحب نے کہا "جی ہاں۔ اس کے بعد وہ یقیناً مسکرا کر سلام کریں گی تو آپ ان سے ہاتھ ملانے کے لئے ہاتھ بڑھا دیجئے گا۔ مگر دیکھئے ہاتھ ملانے کا طریقہ نہیں ہے کہ بس ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوگئے بلکہ اس کو ذرا سی جنبش دینا چاہیے۔ پہلے یہ جنبش اوپر سے نیچے کو دی جاتی تھی، مگر اب اتر دکھن جنبش ہونا چاہیئے۔

میں نے اس ہدایت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں مصافحہ کر کے ہاتھ کو اتر دکھن ذرا سی جنبش دے دوں گی "

آصف صاحب نے کہا۔ اس کے بعد ہاتھ پکڑے ہی پکڑے ان کو لائیگا

اور گول کمرہ میں صوفہ پر بٹھا کر پنکھا کھول دیجئے گا اور ان سے پوچھئے گا۔ کہ کچھ پیجئے گا۔"

میں نے کہا: "آخر اس میں پوچھنے کی کونسی بات ہے۔"

آصف صاحب نے کہا "لاحول ولا قوۃ صاحب یہ انگریزی طریقہ ہے۔ آپ کیا جانیں البتہ اگر وہ انکار کریں تو آپ ہندوستانی اصرار کر کے ان کو دمٹو کی بوتل پلوا دیجئے گا اور خود بھی ان کے ساتھ ہی پیجئے گا۔ مگر اس طرح کہ پہلے ان کا گلاس خالی ہو ان سے قبل آپ کا گلاس خالی نہ ہونا چاہیئے۔"

وہ مجھے ہدایتیں کر رہے تھے اور اس طرح ہدایتیں کر رہے تھے گویا کسی بندر کو ناچنے کی تعلیم دے رہے تھے۔ یا مریخ کا کوئی انسان اس دنیا میں آگیا۔ اور اس کو اس دنیا میں رہنا سکھا رہے ہیں۔ مجھے بے اختیار ہنسی آرہی تھی۔ مگر وہ پوری توجہ کے ساتھ اور انتہائی سنجیدگی سے مجھے ڈائرکشن دے رہے تھے۔ اور میں نہایت سعادت مندی کے ساتھ ان کی ہدایات کو گویا گرہ میں باندھ رہی تھی۔ اور ان کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ مگر آج ان کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ واقعی وہ کس حد تک گنوار اور جاہل سمجھتے ہیں، حد یہ ہے کہ انھوں نے مجھے یہاں تک بتایا کہ چائے کی پیالی اوندھی کس وقت رکھی جاتی ہے۔ اور سیدھی کس وقت اور کتنی چائے میں کتنی شکر اور کتنا دودھ ڈالا جاتا ہے۔ اور جس وقت مہمان پیسٹری یا کوئی چیز کھائے اس وقت مہمان کو کیا کھانا چاہیئے۔"

مگر میں بھی بن بن کر ان کی تمام تعلیم سن رہی تھی۔ اور آخر کار جب

ان کو اطمینان ہو گیا۔ تو انھوں نے مجھ سے مشورہ کرنے کے بعد اتوار کی سہ پہر کو ثریا بیگم کو چائے پر مدعو کر دیا اور اس دعوت کی تیاریاں نہایت انہماک کے ساتھ تین دن پہلے ہی سے شروع کر دیں۔ جن میں مجھ کو بھی قدم قدم پر تعلیم دی جا رہی تھی کہ یہ کرنا اور میں ایک طالب علم کی طرح اپنا سبق یاد کر رہی تھی ::

———— ٭٭٭ ————

(۶)

حسب وعدہ انوار کی سہ پہر کو مشہور افسانہ نگار ثریا بیگم بن کر بانو میرے یہاں تشریف لے آئیں۔ آصف صاحب تو چشم براہ تھے ہی اور اس طرح ٹہل ٹہل کر ان کا انتظار کر رہے تھے کہ گویا وائسرائے آرہے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی وہ آئیں ہیں آپ نے دوڑ کر نہایت گھبرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔

"وہ آگئی ہیں —— سنا آپ نے وہ آگئی ہیں —— یہاں کھڑی ہو جایئے۔ وہی شعر پڑھیئے گا —— یاد ہے نا وہ آیئں گھر میں ہمارے —— اچھا تو میں باہر جاتا ہوں دیکھئے وہ آرہی ہیں"

آصف صاحب واقعی اس قدر گھبرائے ہوئے تھے۔ کہ اب مجھ سے ہنسی ضبط نہ ہوتی تھی۔ اور ان کی ان حرکتوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔ کہ وہ ثریا بیگم کو خدا جانے کیا سمجھتے ہیں۔ مجھ کو ان کی اس گھبراہٹ سے ایسا لطف آرہا تھا کہ میں نے بھی ان کو جاتے جاتے روک کر پوچھا وہ شعر کیا ہے ؎

خدا کی قدرت ہے وہ ہمارے گھر میں آئی ہیں
ہم ان کو کبھی دیکھتے ہیں، اور اپنے گھر کو کبھی دیکھتے ہیں

آصف صاحب نے مارے جوش کے اپنے دانتوں کو کٹکٹا کر کہا "استغفر اللہ ارے صاحب آپ شعر نہ پڑھیئے گا" خدا ہی آج میری عزت رکھے"

آصف صاحب یہ کہہ کر جیسے ہی باہر گئے بانو اندر آگئیں اور ان کو دیکھتے ہی پہلے تو میں نے آنکھ دکھائی اس کے بعد ذرا بلند آواز سے یہ شعر پڑھا تاکہ آصف صاحب بھی سُن لیں ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

بانو نے کہا "آپ اپنے گھر کو دیکھے جاتے ہیں تو گھر والی کو دیکھنے آئی ہوں"

میں نے اس پر قہقہہ لگایا اور وہ بھی ہنستی ہوئی میرے ہمراہ گول کمرہ میں چلی گئیں۔ اس گول کمرہ کے ارد گرد کہیں بھی آصف صاحب کا گذر نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا بانو یہاں نہایت بے تکلفی سے بیٹھ گئیں مگر ابھی ہم دونوں میں کوئی گفتگو شروع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آصف صاحب نے مجھ کو بلوا بھیجا میں ان کی گھبراہٹ کا اندازہ کرکے فوراً آگیا تو آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "اچھا خاصہ شعر آپ کو یاد تھا تو پھر مجھ کو کیوں بلاوجہ پریشان کر دیا"

میں نے کہا "آپ بھی تو اس طرح بدحواس تھے کہ خدا جانے کونسا حاکم آگیا ہے"

آصف صاحب نے کہا "حاکم کی بات نہیں ہے بلکہ صرف یہ خیال ہے کہ آپ کے متعلق ان کو یہ سمجھنے کا موقعہ نہ ملے کہ بس صفر ہی ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ سے کیا گفتگو ہوئی"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "ماشاء اللہ یعنی ابھی تو وہ آئی ہیں ابھی سے گویا گفتگو بھی ہو گئی"

میں نے کہا "آپ خود آجائیے اور گول کمرہ کے باہر کھڑے ہو کر اپنی سرکار

کو خود ہی سلام کر لیجیے ۔"

آصف صاحب نے مجھے گھورتے ہوئے کہا "میری سرکار اس سے کیا مطلب"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اور کیا ۔ آپ ان سے مرعوب تو اسی طرح ہیں ۔"

آصف صاحب نے کہا "ان سے نہیں بلکہ ان کی قابلیت سے آپ کو معلوم نہیں کہ وہ کس بلا کی عورت ہے ۔"

میں نے کہا "اچھا تو آپ آئیے نا میں آپ کی ترجمانی کر دوں گی ۔"

آصف صاحب میرے ہمراہ گول کمرہ تک گئے اور وہاں ان کو چھوڑ کر میں نے کمرہ میں پہونچتے ہی باآواز بلند بانو سے جو ثریا بیگم بنی ہوئی تھیں کہا ۔

"آصف صاحب آپ کو سلام کہہ رہے ہیں ۔ اور مزاج پوچھ رہے ہیں ۔"

بانو نے باآواز بلند کہا "وعلیکم السلام میری طرف سے بھی مزاج پوچھ دیجیے ۔"

آصف صاحب نے کہا "آپ نے جو عزت فرمائی ہے اس کا شکریہ مجھ پر واجب تو نہیں لیکن اگر واجب بھی ہوتا تو میں ادا نہیں کر سکتا تھا ۔"

بانو نے کہا "غالباً شکریہ ادا کرنے کے لئے حسب معمول آپ کو الفاظ نہ ملتے ہوں گے ۔"

آصف صاحب کو اس کے جواب میں محض مسکرا کر رہ جانا پڑا اور بانو نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ۔

"در اصل ان رسمی تکلفات کی کوئی ضرورت ہی نہیں میری بہن نے مجھ کو یاد کیا اور میں آگئی اور ان سے مل کر بیحد خوش ہوئی اس تھوڑی دیر میں مجھ کو یہ دیکھ کر اطمینان ہو اگیا کہ ان کی زندگی افسانوی زندگی نہیں ہے ۔ بلکہ بلحاظ واقعاتی زندگی ہے ان کا ماحول میری طرح مفروضہ نہیں ہے ۔"

آصف صاحب خدا جانے ان الفاظ کا مفہوم سمجھ بھی سکے یا نہیں بہر حال

آپ نے میری طرف سے کسر نفسی کرتے ہوئے کہا۔

اب آپ سے مل کر شاید ان کو بھی کچھ حاصل ہو جائے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اردو لٹریچر آپ کا رہین منت ہے۔ اور افسانہ نگاری میں جو انقلابی روح آپ نے پھونکی ہے۔ اس نے بڑے بڑے افسانہ نگاروں کو نقش حیرت بنا دیا ہے۔ دراصل افسانہ نگاری کا جو معیار آپ نے پیش کیا ہے۔ اس پر مشکل سے وہ افسانہ نگار پورے اتریں گے۔ جن کے نام کا گویا۔ سکہ چل رہا تھا۔ آپ کے افسانے محض افسانے نہیں ہوتے بلکہ ان میں تو ہماری سوسائٹی کے سیکڑوں وہ مسائل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر دیئے جاتے ہیں۔ جو آج تک عقدہ لاینحل بنے ہوئے تھے۔ دراصل آپ کی یہ صلاحیت خداداد ہے اور آپ کی ذات پر اردو کو ہمیشہ فخر رہے گا۔"

آصف صاحب کے اس قصیدہ کی ممدوحہ میں خود تھی مگر کسر نفسی فرما رہی تھیں۔ بی بانو۔

میں دروازہ کی آڑ میں کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی اور بانو میری طرف سے یہ ایڈریس قبول فرما رہی تھیں آخر انھوں نے کہا۔"

آپ حضرات نے غالباً یہ ارادہ کر لیا ہے کہ میرا دماغ خراب کر دیں تاکہ میں جو کچھ لیپ پوت لیتی ہوں وہ بھی بھول جاؤں۔"

آصف صاحب نے کہا۔"جی نہیں میں نے خلاف واقعہ کوئی بات نہیں کہی میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ نے خدا جانے کس حالت کے ماتحت افسانہ نگاری شروع کی ہے کہ ہر لفظ از دل خیزد بر دل ریزد کی ایک تفسیر نظر آتا ہے۔"

بانو نے کہا۔"صاحب میری زندگی بھی عجیب معمہ ہے دراصل مجھ کو افسانہ نگاری یا انشا پردازی سے کوئی ربط ہی نہ تھا مگر میرے خسر باقی فوجدار صاحب اپنی

ذوق رکھتے ہیں شروع شروع انھوں نے مجھ کو انشاء پرداز بنانے کی کوشش کی مگر جب میری طرف سے مایوس ہو گئے تو میری طرف سے خود ہی افسانہ لکھ کر چھپوانے لگے۔"

بانو کے ان الفاظ پر میں دم بخود رہ گئی اور دروازہ کی آڑ سے اس کو اشارہ بھی کیا کہ کیا غضب کر رہی ہو۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اور اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے نام سے افسانے شائع ہوتے تھے۔ اور صاحب اپنے احباب میں بیٹھ کر گویا اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ ایک افسانہ نگار اور انشا پرداز خاتون کے شوہر ہیں۔

اس وقت آصف صاحب کی صورت پر ایسی وحشت برس رہی تھی کہ گویا آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ آئینہ دیکھا ہے ان کی وحشت برابر بڑھ رہی تھی مگر بانو تھی کہ اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی اس نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

صاحب کے لئے یہ بات قابل فخر تھی۔ مگر در اصل میرے لئے یہ بات کسی طرح مناسب نہ تھی کہ مجھ کو ایک فرضی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے مگر میری کیا مجال تھی کہ ان کو اس شغل سے روکتی۔ آخر کار میں نے خود یہ فیصلہ کیا میں بھی کیوں نہ لکھنے کی کوشش کروں اچھا نہ سہی برا لکھوں گی۔ مگر یہ تو نہ ہوگا کہ اگر کوئی مجھ سے میری اس حیثیت کے ماتحت ملے۔ جو رسالوں میں ظاہر کی گئی ہے تو میں بالکل ہی صفر نکلوں لہٰذا میں نے لکھنا شروع کیا اور اپنے ازدواجی نام کے بجائے اپنے ذاتی نام سے وہ اپنے افسانے چھپوانے لگی۔"

میں نے دروازہ کی آڑ میں اپنا منہ پیٹ کر بانو کے آگے ہاتھ جوڑے

مگر اس نے مجھ کو خاموش رہنے کا اشارہ کر کے اپنا سلسلہ جاری رکھا۔

میرا پہلا ہی افسانہ رسالہ تاج میں شائع ہوا تو اڈیٹر صاحب نے بے حد حوصلہ افزائی کی اور چند ہی افسانے شائع ہونے کے بعد آپ حضرات نے مجھ کو آسمان پر چڑھا دیا حالانکہ میں خود اپنی حقیقت سے واقف ہوں کہ میں بالکل مبتدی ہوں۔"

آصف صاحب کا یہ عالم تھا کہ جیسے بُت بنے کھڑے تھے اور میں اپنی جگہ پر خاموش تھی کہ اس کمبخت بانو نے تو میرا ہی تمام افسانہ دہرا دیا۔ آخر آصف صاحب نے کہا۔

نہایت دلچسپ ہے آپ کی داستان افسانہ نگاری دراصل یہ سب بہانے تھے۔ جو اتفاقات نے مہیا کیے ورنہ ابر کی چادروں کو ہٹا کر آفتاب کو تو بہر حال نکلنا تھا۔

بانو نے کہا: خیر یہ تو سب آپ کی حوصلہ افزائیاں ہیں مگر میرا ذاتی افسانہ ان تمام افسانوں سے زیادہ دلچسپ ہے جو رسائل میں شائع ہوتے ہیں۔ مگر افسوس میں اپنا افسانہ کسی کو سنا بھی تو نہیں سکتی اس لیے کہ میں آخر وقت تک اپنے شوہر کو یہ بتانا نہیں چاہتی کہ ان کی نالائق شریکِ زندگی بھی کچھ جانتی ہے وہ میرے افسانے مجھ ہی کو سناتے ہیں اور خوب خوب داد دیتے ہیں۔ دراصل اس میں میری حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور میں خوش بھی ہوتی ہوں کہ میرا ذاتی افسانہ نہایت عمدہ پلاٹ کے ساتھ چل رہا ہے۔"

آصف صاحب نے کہا: یعنی ان کو اس کی خبر اب تک نہیں ہے کہ یہ افسانے آپ ہی کے ہیں؟"

بانو نے کہا: جی نہیں وہ بیچارے اپنے متعلق اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں

کہ وہ بڑے سمجھدار ہیں حالانکہ میرے خیال میں وہ انتہائی سادہ لوح واقع ہوئے ہیں:

آصف صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ کیا خوب:

بانو کچھ اور کہنا ہی چاہتی تھی کہ میں نے آصف صاحب کو یہ کہہ کر باہر بھیج دیا کہ اچھا اب آپ باہر تشریف لے جائیں یہاں ہم لوگ گرفتار ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

چنانچہ وہ باہر چلے گئے اور میں نے بانو کو آڑے ہاتھوں لیا کہ کمبخت تو نے تمام بھانڈہ ہی پھوڑ دیا تھا۔ مگر اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا۔ آصف صاحب عقل کے ایسے کھرے نہیں ہیں کہ کچھ سمجھ سکیں ان کو قیامت تک تم پر شبہ نہیں ہو سکتا البتہ حیرت ضرور ہو گی کہ واقعات یکساں کس قدر ہیں۔

(۷)

واقعی مردوں کو اپنی عقلمندی پر ناز تو بہت ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ناقص العقل عورت جب چاہتی ہے اس عقل کل کو بیوقوف بنا کر چھوڑ دیتی ہے اور اس کی بے وقوفی سے نہایت خاموشی کے ساتھ خوب لطف اٹھاتی ہے۔ چنانچہ آصف صاحب جن کے متعلق مشہور تھا کہ اڑتی چڑیا کو پہچان لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں بیے بنائے گئے کہ ان کی سادہ لوحی پر ہنسی بھی آتی تھی اور ترس بھی۔

حد یہ ہے کہ بانو نے خود ان کو ان ہی کا پورا افسانہ سنا دیا گیا۔ مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا وہ بدستور اپنی اس کنیز اور ثریا بیگم کو دو مختلف پیکر سمجھ رہے تھے۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں اور جن کے درمیان زمین و آسمان کا بُعد ہو۔ چنانچہ بانو یعنی مفروضہ ثریا بیگم کے چلے جانے کے بعد آپ نے مجھ سے کہا۔ عجیب و غریب عورت ہے۔"

میں نے سادگی سے ذرا بنتے ہوئے کہا: "لیکن وہ بیچاری نہایت سادہ اور صاف دل عورت ہیں۔"

آصف صاحب نے اس حماقت آمیز جواب پر لاپروائی سے فرمایا: "آپ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتیں وہ اس قدر بلند ہے کہ وہاں تک عام نگاہیں پہنچ بھی نہیں سکتیں۔"

میں نے گویا جلتے ہوئے کہا: "کیا وہ کوئی نبی یا پیغمبر ہیں۔"

آصف صاحب نے کہا یقیناً وہ پیغمبر علم و ادب ہے " میں نے بات کاٹ کر عام عورتوں کی طرح کہا: "توبہ کیجئے توبہ آپ کو تو ان سے ایسا اعتقاد ہے کہ گویا ان کے مرید ہی ہو کر رہ گئے ہیں مجھے تو ایسی کوئی خاص بات ان میں نظر نہیں آتی "

آصف صاحب نے کہا: "آپ کو اگر وہ خاص باتیں نظر آجاتیں تو رونا ہی کیا تھا۔ آپ خود دیکھئے کہ اس کے اور آپ کے حالات کس قدر یکساں ہیں مگر ان ہی حالات میں اس نے اپنے کو کہاں پہنچا دیا ہے۔ اور آپ یہاں دھری ہوئی ہیں۔ آپ تو واقعی کوشش ہی نہیں کرتیں کہ کچھ لکھیں "

مجھ کو اس جملہ پر بیساختہ ہنسی آرہی تھی کہ آپ کے اور ان کے حالات کس قدر یکساں ہیں۔ مگر ہم نے ضبط کر کے کہا۔

اچھا آج میں بھی لکھتی ہوں ایک افسانہ مگر آپ یقیناً ہنسیں گے "

آصف صاحب نے کہا۔ خدا کرے کہ میں ہنسوں اور آپ کا افسانہ مجھے رونے پر مجبور نہ کرے "

آصف صاحب تو یہ باتیں کر کے چلے گئے۔ اور میں نے بیٹھے بٹھائے سوچا کہ آج واقعی میں کچھ آصف صاحب کو دکھانے کے لیے لکھوں چنانچہ میں نے بالکل ایک سطحی پلاٹ بنایا اور پھر اس احتیاط کے ساتھ اس پلاٹ پر افسانہ لکھنا شروع کیا کہ جا بجا پلاٹ کی کمزوریاں زبان کی خامیاں جملوں کی بے ربطی اور بندشں کی بدتمیزیاں رہیں تاکہ وہ اس سلسلہ میں میری طرف سے بالکل ہی مایوس ہو جائیں چنانچہ افسانہ شروع کیا گیا ان الفاظ سے کہ :-

چمپا ایک لڑکی تھی اور گوپال اس کا باپ تھا اس نے اپنی عمر کے سولھویں سال میں قدم رکھتے ہی اپنے ایک پڑوسی کے لڑکے سے جس کا نام گھنشام

تھا۔ محبت شروع کردی ۔ اور اس محبت کی خبر گوپال کو نہ ہوئی ۔ مگر محبت کا یہ طریقہ ہے ۔ کہ وہ اگر چھپائی جائے ۔ تو ظاہر ضرور ہو جاتی ہے ۔ لہذا وہ ظاہر ہو گئی۔ اور گوپال نے اپنی لڑکی چمپا کو بہت برا کہا "

افسانہ کی اس ابتدا پر مجھ کو بیحد ہنسی آئی اور اچھی طرح اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ آصف صاحب یقیناً اس افسانہ پر آتش زیر پا ہوں گے ۔ اپنی بوٹیاں نوچیں گے ۔ اور ہر جملہ پر ناچ ناچ جائیں گے ۔ چنانچہ اسی انداز بیان اسی ربط اسی رنگ میں پورا افسانہ میں نے آدھ گھنٹہ میں تیار کر دیا ۔

گو اب دل چاہتا تھا کہ یہ افسانہ بانو کو بھی سناؤں وہ بہت پسند کریں گی ۔ ارادہ ہوا کہ اسی وقت ان کے یہاں چلی جاؤں مگر آصف صاحب کے چند دوست آج کھانے پر آنے والے تھے لہذا میں خود نہ جا سکی پھر سوچا کہ بانو کو ہی کیوں نہ بلالوں ۔ مگر وہ بھی شاید اس قدر جلد نہ آسکتی تھی ۔ لہذا یہ طے کیا کہ آصف صاحب کو تو پہلے سنا دوں اس کے بعد بانو کو افسانہ بھی سنا دوں گی اور آصف صاحب کے ریمارک بھی تاکہ پوری دلچسپی لے سکیں چنانچہ جس وقت آصف صاحب اپنے احباب کی دعوت سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھے تو میں نے ان کے سامنے اپنا افسانہ ڈال دیا ۔ انھوں نے حیرت سے کاغذ اٹھا کر کہا ۔

"کیا ہے ؟"

میں نے گویا شرماتے ہوئے کہا " دیکھئے ہنسئے گا نہیں یہ میری پہلی کوشش ہے "

آصف صاحب نے کہا " اچھا یہ افسانہ ہے ۔ آپ کا "

میں چپ ہو رہی اور آصف صاحب نے اس کو پڑھنا شروع کیا مگر افسانہ پڑھنے سے قبل ہی کہا "

اس کا نام کچھ نہیں ہے "

میں نے کہا: "نام آپ بتائیے گا تو بعد میں لکھ دوں گی۔ ابھی تو اس کو صاف کرنا باقی ہے"

آصف صاحب نے خاموشی کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور ایک ہی سطر پڑھی ہو گی کہ منہ بنا کر بولے۔

"چمپا ایک لڑکی تھی۔ ؟ اور نہیں تو کیا چمپا کسی لڑکے کا نام ہوتا ہے ـــــ اور گوپال اس کا ایک باپ تھا ـــــ باپ کے ساتھ اس ایک کی کیا تعریف کی جائے ـــــ"

میں نے بات کاٹ کر کہا: "دیکھئے میں پہلے ہی کہتی تھی کہ ہنسیے گا۔ نہیں۔ مگر آپ نے مجھ کو بنانا شروع کر دیا ہے۔ اسی لیئے تو میں لکھتی نہیں ہوں"

آصف صاحب نے بدستور ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"یعنی آپ نے لکھا ہے کہ گوپال اس کا ایک باپ تھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ منجملہ دیگر باپوں کے ایک تھا۔ یعنی اس کے باپوں کی فہرست میں ایک گوپال بھی تھا۔ کس قدر مضحک بات ہے اور میں اس پر اعتراض کبھی نہ کر دوں ایسی بات تو شاید کوئی بچہ بھی نہ لکھے"

یہ کہہ کر آصف صاحب پھر افسانہ پڑھنے لگے۔ اور میں منہ پھیر کر ہنسا کی آپ نے دو ہی چار لفظ پڑھے ہوں گے کہ پھر چونک پڑے اور بیساختگی کے ساتھ کہا۔

"اے سبحان اللہ کیا کہنا ہے آپ کے افسانہ کا۔ اس نے اپنی عمر کے سولھویں سال میں قدم رکھتے ہی اپنے ایک پڑوسی لڑکے سے جس کا نام گھنشیام تھا۔ محبت شروع کر دی گویا۔ وہ انتظار میں بیٹھی تھی کہ سولھویں سالگرہ ہو تو ـ میں فوراً محبت شروع کر دوں گی گویا وہ معنا دے میں سولھویں گرہ

لگائی گئی ادھر اس نے اپنے مقررہ پروگرام کے ماتحت دل لگا لیا۔"

میں پھر بیچ میں بول اٹھی: "مطلب یہ ہے کہ جب اس نے محبت کی اس وقت اس کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔"

آصف صاحب نے کہا: "اور چونکہ محبت کا اظہار بغیر عمر کے ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا یہ بڑی ضروری بات تھی پھر لطف یہ کہ اس محبت کی خبر گوپال کو نہیں ہوئی گویا عام طور پر لڑکی باپ کو اطلاع دے کر یا اس کی اجازت حاصل کر کے یا اس سے مشورہ کرنے کے بعد محبت کیا کرتی ہے۔ صرف چمپا نے یہ عجیب بات کی تھی کہ اپنے باپ کو خبر نہ ہونے دی۔"

میں نے گویا جھینپ کر کہا: "آپ تو بناتے ہیں میرا مطلب یہ تھا کہ اس کے باپ کو خبر نہ ہوئی۔"

آصف صاحب نے کہا: "وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ اس نے اپنے باپ کی لاعلمی میں محبت کرلی اور باپ کو اس کار خیر کی خبر تک نہ کی واقعی یہ اس کی زیادتی تھی بھلا کہیں جوان جہان لڑکیاں بغیر باپ کے مشورہ کے محبت کرتی ہیں۔"

میں نے کہا: "میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ بہلی کوشش ہے آپ بنائیں گے۔"

افسانہ پڑھتے پڑھتے آصف صاحب نے اچھل کر کہا کیا کلیہ بیان فرمایا ہے۔ کس قدر سیدھا سادہ اصول بیان کیا ہے کہ محبت کا طریقہ یہ ہے یعنی محبت اس کی عادی ہے محبت ایک عورت ہے۔ جس کی یہ عادت پڑ گئی ہے۔ وہ اگر چھپائی جائے تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ عجیب بری عادت ہے لاکھ سمجھایا کمبخت کو کسی طرح مانتی ہی نہیں نہ آئے گئے کا خیال نہ پاس پڑوسی کا لحاظ چھپ چھپائی گئی۔ ظاہر ہو گئی گویا اب اس کا ظاہر علاج یہ ہے کہ اگر ظاہر کر دی جائے تو چھپ جائے گی چھپانے سے اگر اس کے ظاہر ہونے کی عادت ہے تو ظاہر کرنے

سے چھپنے کی عادت بھی یقیناً ہوگی۔

میں نے کہا: میرا مطلب یہ تو نہ تھا کہ محبت چھپائے نہیں چھپتی مگر آپ ہیں کہ بنا رہے ہیں آپ رہنے دیجئے پڑھنے کو۔

آصف صاحب نے افسانہ بند کر کے میری طرف اچھالتے ہوئے کہا: میں خود اس دفتر بے معنی کو پڑھنے سے قاصر ہوں صرف اتنا سا افسانہ پڑھ کر دماغ ماؤف سا ہوگیا ہے اگر پورا پڑھ جاؤں تو شاید عمر بھر قلم اٹھانے کے قابل نہ رہوں گا۔

میں نے شرارت سے پوچھا: تو کیا یہ ایسا برا ہے کہ اس کو ٹھیک بھی نہیں کیا جاسکتا۔؟

آصف صاحب نے کہا: آخر اس میں کیا چیز ٹھیک کردوں یہ تو شروع سے آخر تک عجیب و غریب چیز ہے۔ کس کی شامت آئی ہے کہ اسکو ٹھیک کرے۔

میں نے کہا: اچھی بات ہے تو میں اس کو ثریا بیگم کو دکھا کر اصلاح کرالوں گی۔

آصف صاحب نے جھپٹ کر افسانہ لیتے ہوئے کہا۔

کہیں ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا آپ تو بالکل ہی عقل کے پیچھے لٹھ لئے ہوئے گھوم رہی ہیں آپ کے نام سے جو افسانے شائع ہوئے ہیں وہ ان کو پڑھ چکی ہیں یہ افسانے ان سب کا بھانڈا پھوڑ دے گا۔

میں نے آصف صاحب سے افسانہ لیتے ہوئے کہا کہ میں تو مذاق کر رہی تھی۔ مگر باوجود اس کے آصف صاحب کے چہرہ پر شگفتگی پیدا نہ ہوئی وہ میرے افسانہ سے اس قدر متاثر ہوئے تھے۔ کہ سراپا یاس و حسرت بن کر رہ گئے تھے۔ آج یقیناً ان کو میری طرف سے اطمینان ہوگیا ہوگا کہ میں اگر چاہوں بھی تو افسانہ نگار نہیں بن سکتی اور اب انھوں نے یہ بھی طے کر دیا ہوگا۔ کہ ان کو زندگی بھر میری طرف سے افسانہ نگاری کرنا ہے بہرحال وہ منہ لٹکائے بیٹھے رہے

اس کے بعد خود ہی بغیر کچھ کہے سنے اٹھ کر چلے گئے۔

آصف صاحب کے جانے کے بعد میں خود دیر تک اپنے اس افسانہ سے دل بہلایا کی اور دوسرے دن جب میں نے بانو کے یہاں جاکر اپنا یہ افسانہ سنایا تو ان کی ہنسی کا عالم کیا بیان کروں تمام فرش پر مچھلی کی طرح لوٹی لوٹی پھرتی تھیں پھر آصف صاحب کے ریمارک سن کر تو معلوم یہ ہوتا تھا کہ گویا کوئی پیٹ میں گدگدی کر رہا ہے میں نے افسانہ سنانے کے بعد بانو سے بھی کہہ دیا اور خود بھی مجھ کو اب اطمینان ہے کہ آصف صاحب غالباً اب مجھ سے کبھی کچھ لکھنے کو نہ کہیں گے خواہ خود میری طرف سے کتنا ہی لکھیں اور صرف یہی نہیں بلکہ اس دن سے ڈریں گے۔ جب میری اس مفروضہ قابلیت کا بھانڈا پھوٹے گا "

دراصل ان کے لیے سب سے بہتر ترکیب تو یہ تھی کہ وہ اب بھی اپنی بیوی کے اس پروپیگنڈے سے باز آجاتے اور چپ ہو کر بیٹھ رہتے مگر اپنے دوستوں میں اپنی بیوی کے متعلق جو پروپیگنڈہ وہ کر چکے تھے سوال یہ تھا کہ اب اس کو کیونکر غلط ثابت کریں اور ایک دم سے کیونکر چپ ہو جائیں۔ بہرحال چونکہ وہ اب بھی دھن میں مست تھے لہٰذا نتائج کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہو سکتے ہیں میں نہیں۔

———— + ————

(۸)

اب میں بحیثیت مسز آصف کے تو بالکل مطمئن تھی اور آصف صاحب نے مجھ سے اس قسم کی ادبی گفتگو بالکل چھوڑ ہی دی تھی مگر بحیثیت ثریا بیگم کے میرے لئے اب ایسی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں کہ میں خود حیران تھی کہ اس رازداری کا سلسلہ کب تک قائم رہ سکتا ہے۔

جہاں تک ہوتا تھا میں ان مواقع سے گریز کرتی تھی جہاں اس بھانڈے کے پھوٹنے کا کوئی بھی امکان ہوتا تھا میں کسی زنانہ پارٹی میں بحیثیت ثریا بیگم کے شریک نہ ہوتی تھی۔ کسی ادبی اجتماع کی کوئی دعوت قبول نہ کرتی تھی حد یہ ہے کہ خود اڈیٹر صاحب رسالہ تاج میرے سر تھے کہ وہ اس مرتبہ میرا نام انجمن اردو کی صدارت کے لئے پیش کریں گے مگر میں برابر انکار کر رہی تھی۔

یہ قصہ تو تھا ہی مگر اب ایک نیا قصہ یہ پیش آ گیا تھا کہ میرے افسانوں کے مجموعہ کی بڑی مانگ تھی۔ اور اڈیٹر صاحب رسالہ تاج کے توسل سے اور براہ راست میرے نام بہت سی کمپنیوں اور ناشروں کے خطوط آ رہے تھے جو ان افسانہ کے مجموعہ کو شائع کرنے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ اور مجھ کو گراں معاوضہ دینے کو تیار تھے۔ مگر میں جانتی تھی کہ اگر یہ مجموعہ شائع ہوا تو اس راز کے افشا ہونے میں بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی لہٰذا میں اسکو برابر ٹال رہی تھی حد یہ ہے کہ میرے افسانوں کے مجموعہ کے لئے سب سے زیادہ خود آصف

زور دے رہے تھے اور ملک کے مشہور مطابع کو اس طرف متوجہ کر رہے تھے اور میں حیران تھی کہ آخر اس کی اجازت کیوں کر دوں اس لئے کہ ایک مستقل تعنیف کے سلسلہ میں اپنے کو ثریا بیگم کے ساتھ ہی ساتھ مسز آصف ظاہر نہ کرنا میں گوارا نہ کر سکتی تھی اور مسز آصف کا ثریا بیگم ہونا فی الحال ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔

مگر صورت حال اس حد تک نازک ہو چکی تھی کہ آخر میں نے بانو سے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا تو بانو نے ایک نہایت عمدہ بات بتائی کہ مجموعہ کی اشاعت کی اجازت دیدی جائے اور خود آصف صاحب کو ثریا بیگم مقدمہ لکھنے کی دعوت دیں۔

میں نے بانو سے کہا "مگر اس سے فائدہ کیا ہوگا۔"

بانو نے کہا: "فائدہ یہ ہوگا کہ اب یہ راز عرصہ تک چھپ نہیں سکتا۔ لہذا اس کی سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ جس وقت آصف صاحب کا اعترافی مقدمہ تمہارے پاس آجائے تم اس کو شریک اشاعت کر دو اور پھر "افسانہ" کے زیر عنوان اپنا پورا افسانہ لکھ دو جو عرض حال کا کام بھی دے گا اور ایک افسانہ بھی ہوگا۔

اس طرح آصف صاحب کو نہایت حیرت انگیز طریقہ پر یہ معلوم ہوگا کہ ان کو کس قدر دلچسپ مغالطہ ہوا ہے۔ اور وہ خواہ خواہ کتنا ہی جھینپیں مگر اپنے حلقۂ احباب میں اس جھینپ کے ساتھ بھی ایک طرح کا افتخار شامل ہوگا۔"

میں نے کہا: "تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ اب اس تمام قصہ کو ختم کر دیا جائے۔"

بانو نے کہا: "ہاں بہن بات اصل میں یہ ہے کہ اگر یہ بھانڈا خود بخود پھوٹ گیا تو اس میں تمام فتحمندی کے بعد ایک آخری شکست گویا اپنے

ہی حصہ میں آئے گی دوسرے اب اس مفروضہ پلاٹ سے کچھ الجھن بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اور دل چاہتا ہے کہ حقیقت کو بے نقاب کرکے تاریخ کو جلد سے جلد دیکھا جائے:

میں نے کہا: اچھا تو آج ہی آصف صاحب کے نام خط لکھو اور تمام افسانوں کو ایک جا کرکے ان کے پاس بھیج دو"

بانو نے کہا" صرف خط لکھو دو افسانے ان کے پاس خود ہی موجود ہوں گے پہلے یہ تو دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں"

بانو کی یہ رائے معقول تھی لہذا میں نے آصف صاحب کو خوب چھنی چنان کرکے خط لکھوا دیا اور اسی وقت سپرد ڈاک کردیا۔

آصف صاحب نے اس خط کا جواب دوسرے دن دیا۔ جس میں اس بات پر انتہائی استعجاب سے کام لیا تھا کہ آخر یہ اعزاز ان کو کیوں بخشا گیا ہے جبکہ ان افسانوں پر مقدمہ لکھنا دور حاضرہ کے بہترین ادیب اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ بہت کچھ عجز و انکسار کے بعد آپ نے اس پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ میں نہایت فخر کے ساتھ مقدمہ لکھوں گا اگر پسند ہو تو شریک اشاعت کر لیجئے گا:

ادھر تو آپ نے میرے نام یہ خط روانہ کیا ادھر آپ نے بڑے بڑے کتب خانے چھان ڈالے اور افسانہ نگاری پر مشرقی اور مغربی لٹریچر کو اپنے کمرے میں لا کر ڈھیر کردیا تاکہ مقدمہ کے سلسلہ میں اس سے مدد لیں صرف یہی نہیں بلکہ مقدمہ لکھنے کے لئے آصف صاحب نے اپنے تمام احباب کی گویا ایک کمیٹی مقرر کی جس کے مشورے اور بات بات پر طویل مباحثوں کے بعد

مقدمہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔

میں خود مسز آصف بنی ہوئی نہایت سادگی اور بے خبری کے ساتھ آصف صاحب کے اس انہماک کو دیکھتی تھی۔ اور دل ہی دل میں ہنستی تھی ان کو شب و روز بس اسی مقدمہ کی فکر تھی۔ اور دنیا کے تمام مشاغل آج کل ترک کر دیئے گئے تھے۔ ایک دن میں نے خود بن کر ان سے کہا۔

آج کل آپ کچھ بے حد مصروف نظر آتے ہیں۔ نہ کچہری جاتے ہیں نہ شام کو ٹینس آخر قصہ کیا ہے؟

آصف صاحب نے نہایت لاپروائی سے کہا: ایک ضروری کام ہے۔

میں نے کہا: کیا کوئی امتحان دینا ہے۔؟

آصف صاحب نے ٹالنے کے لئے کہا: نہیں ——— ہاں — یعنی ایک ضروری کام ہے کہہ تو دیا۔

میں نے گویا اپنی جگہ پر مگر ان کو سنانے کے لئے کہا خدا کرے کہ آپ پاس ہو جائیں اور ہے کب سے یہ امتحان۔

آصف صاحب نے چڑ کر کہا: لاحول ولا قوۃ۔ کیسا امتحان میں کہہ رہا ہوں کہ ایک ضروری کام ہے اور آپ کو امتحان کی رٹ لگی ہوئی ہے عجیب کوڑ مغز ہو جاتی ہیں آپ بھی۔

میں نے کہا: یا اللہ میں کیا جانوں کہ کیا بات ہے ہر وقت لکھتے پڑھتے ہیں اور نئی کتابیں لاتے ہیں۔ میں سمجھی کہ شاید کوئی امتحان ہو۔

آصف صاحب نے کہا: جی ہاں آپ ایسی ہی سمجھدار ہیں۔ میں آج کل ثریا بیگم کے افسانوں کے مجموعہ پر مقدمہ لکھ رہا ہوں۔ اس لئے اس قدر مصروف ہوں۔

میں نے کہا: "توبہ ہے یہ موئی ثریا بیگم تو جان کا عذاب ہو گئیں۔"

آصف صاحب نے حیرت سے کہا: "جو منھ میں آتا ہے بک جاتی ہو جانتی ہو کہ اس محترم خاتون نے مجھ کو کتنا بڑا اعزاز دیا ہے۔ کہاں میں اور کہاں وہ اور اس نے مجھ ہی کو اپنی ایسی قیمتی کتاب پر مقدمہ لکھنے کی دعوت دی ہے گویا اپنے ساتھ مجھ کو بھی زندہ جاوید کر دیا۔"

میں نے کہا: "ہوگا بھی میں تو ان کو اپنی طرح ایک عورت سمجھتی ہوں آپ لوگ جس کو چاہیں آسمان پر چڑھا دیں اور جس کو چاہیں ذلیل کر دیں۔"

آصف صاحب نے اٹھ کر جاتے ہوئے کہا: "آپ اپنا دماغ ان معاملات میں خراب نہ کریں یہ باتیں آپ کی سمجھ سے بالاتر ہیں آپ ان کو ہیں جنم بھی لے کر نہ سمجھ سکیں گی۔"

آصف صاحب ادھر گئے اور ادھر میں نے اطمینان کے ساتھ ہنسنا شروع کیا اس وقت گویا ہنسی کا چشمہ ابلا ہی پڑتا تھا۔ اور میں دیوانوں کی طرح ہنس رہی تھی۔

---

(۹)

میں اڈیٹر صاحب رسالہ تاج کو لکھ چکی تھی کہ آپ جس طرح اور جہاں چاہیں اس مجموعہ کی طباعت کا انتظام کریں میں بہت جلد اس کے لئے مقدمہ لکھوا کر اور عرض حال لکھ کر آپ کو بھجوا دوں گی۔ چنانچہ اڈیٹر صاحب نے نہایت اہتمام کے ساتھ مجموعہ کی طباعت کا انتظام خود ہی شروع کر دیا تھا۔ اور وہ اس مجموعہ کو ایک یادگار کتاب کی صورت میں شائع کر رہے تھے۔ بہترین کاتب اس کو لکھ رہے تھے۔ بہترین کاغذ فراہم کیا گیا تھا۔ اور مشہور مصور اس کے سر ورق اور اندرونی نقش و نگار کے نمونے بنا بنا کر بھیج رہے تھے۔

رسالہ تاج میں اس مجموعہ کا اشتہار نہایت شان و شوکت کے ساتھ چھپ رہا تھا اور حالانکہ نام مجھ کو پسند نہ تھا۔ مگر خود اڈیٹر صاحب اور آصف صاحب کے مشورے سے اس کا نام "عقد ثریا" رکھ دیا گیا تھا۔ مگر تو ان تمام انتظامات اور اہتمامات سے خالی الذہن ہو کر صرف آصف صاحب کی سرگرمیوں سے دلچسپی لے رہی تھی۔

معلوم یہ ہوتا تھا کہ خود یہ حضرت کوئی مقدس صحیفہ طبع کرا رہے ہیں آپ نے مقدمہ لکھنے میں اپنی پوری قابلیت کا ثبوت دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو مقدمہ انھوں نے لکھا تھا۔ وہ افسانہ نگاری کے باب میں ایک نہایت قابل قدر چیز تھی۔

بانو نے اس مقدمہ کو دیکھ کر ایک نہایت عمدہ بات کہی تھی کہ در اصل آصف صاحب نے اپنی تمام ماضی حال اور مستقبل کی ادبی صلاحیتوں کو یکجا کر کے اس مقدمہ میں بھر دیا ہے۔

آصف صاحب کا مقدمہ دیکھنے کے بعد میں نے "افسانۂ ما" کے زیر عنوان اپنا اور اپنی افسانہ نگاری کا تمام واقعہ من وعن سپردِ قلم کیا جس میں آصف صاحب کی دلچسپ غلط فہمی اور بانو کی کامیاب اداکاری کا واقعہ بے حد دلچسپ تھا مگر اب سوال یہ تھا کہ آخر اس کو اڈیٹر صاحب رسالہ تاج کے پاس کیونکر بھیجا جائے اس لئے کہ وہ گویا اس افسانہ کے پہونچنے کے بعد اس راز سے کتاب کی اشاعت کے قبل ہی واقف ہو جاتے ہیں۔ مگر بانو کی اور میری خواہش یہ تھی کہ کتاب کی اشاعت کے بعد ان کو علم ہو۔

آخر کار یہ طے پایا کہ بانو کے یہاں اڈیٹر صاحب تاج کو چائے پر بلایا جائے اور وہاں ان کو ہمراند ہا کر یہ کاغذات سپرد کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اڈیٹر صاحب کو چائے پر مدعو کیا گیا اور وہ گویا بانو کے یہاں ثریا بیگم کے مہمان بن کر تشریف لائے تو آج پہلی دفعہ میں نے ان سے نہایت بے باکی کے ساتھ بات چیت کی۔

اڈیٹر صاحب باہر صحن میں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہم دونوں یعنی میں اور بانو چلمن کے پیچھے تھے اڈیٹر صاحب کے آنے کے بعد میں نے پہلے تو نہایت مردانہ طریقہ پر السلام علیکم جھاڑا جس کا جواب اڈیٹر صاحب نے پوری نسائیت کے ساتھ ذرا سا لجا کر وعلیکم السلام دیا۔ اور پھر اٹک کر مزاج بھی پوچھ لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ عورتوں ہی کو شرمانا نہیں آتا بلکہ مرد بھی جب اکیلا گھر کر رہ جاتا ہے تو اس کی شرم بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اس وقت اڈیٹر صاحب کی جھکی ہوئی نظریں پیشانی کا پسینہ اور بات بات

پر ہکلانا اور اٹکنا ان کی سراسیمگی کا راز افشا کیے دیتا تھا آخر میں نے خود ان سے کہا۔

"آپ تو اس قدر شرما رہے کہ ہم عورتوں کو بھی شرمائے دیتے ہیں"

اڈیٹر صاحب نے مسکرا کر کہا" بات یہ ہے کہ میں اس وقت اس محترم خاتون کے دربار میں حاضر ہوں جہاں مردوں کی قابلیت پر نہیں مار سکتی"

میں نے کہا اڈیٹر صاحب آپ تو یہ نہ کہیے دراصل میں نے تو جو کچھ سیکھا ہے آپ سے اور آپ کے رسالہ سے اور آپ ہی نے مجھ کو اس قدر آسمان پر چڑھا دیا ہے"

اڈیٹر صاحب نے کہا" مگر میرا خیال یہ ہے کہ میرے رسالہ نے جو ترقی کی ہے وہ آپ کی اور آپ کے افسانوں کی وجہ سے اور ابھی کیا ہے۔ میں تو اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد دکھا دوں گا کہ یہ تاج کہاں سے کہاں پہونچتا ہے، حالانکہ یہ ہندوستان ہے یہاں علم و ادب کے پرستاروں کا قحط الرجال ہے مگر اس کے باوجود اس مجموعہ کی اشاعت سے قبل ہی جو مانگ ہے اس سے نہایت درخشاں مستقبل کی اُمید ہے"

میں نے کہا" اڈیٹر صاحب آج میں نے آپ کو ایک نہایت عجیب راز بتانے اور ہمراز بنانے کے لئے زحمت دی ہے"

اڈیٹر صاحب اتنی گفتگو کے بعد ذرا مردمیں چلے تھے میرے اس جملہ پر سوالیہ نشان کی طرح منھ کھول کر بیٹھ گئے اور نہایت گھٹی ہوئی آواز میں کہا" فرمائیے"

میں نے کہا" مگر شرط یہ ہے کہ یہ راز مجموعہ کی اشاعت سے قبل کسی کو بھی نہ معلوم ہو"

اڈیٹر صاحب نے حتمی وعدہ کرتے ہوئے کہا" قطعاً نہیں یہ راز میرے دل

میں اس طرح محفوظ رہے گا کہ میرے دماغ کو بھی خبر نہ ہو۔"

میں نے ہنس کر کہا "یہ تو خیر آپ نے شعر کہا ہے مگر واقعی ایسا ہی چاہتی ہوں اچھا خیر سنیئے وہ راز یہ ہے کہ میں ثریا بیگم ہوں"

اڈیٹر صاحب نے تعجب سے کہا "مگر اس راز سے تو دنیا بخوبی واقف ہے"

میں نے کہا "اچھا تو آپ اس پر بھی یقین کیجیے کہ میں مسز آصف ہوں"

اڈیٹر صاحب کے منہ سے نکل گیا۔ "جی ۔۔۔"

میں نے زور دیتے ہوئے کہا "میں مسز آصف بھی ہوں یعنی آپ کے دوست مسٹر آصف کی بیوی"

اڈیٹر صاحب نے کہا "مگر آصف صاحب کی بیوی تو پہلے سے موجود تھیں"

میں نے کہا "جی ہاں تھیں اور اب بھی ہیں مگر آصف صاحب نے مجھ سے ان کی موجودگی میں عقد نہیں کیا ہے۔ بلکہ میں وہی ہوں یعنی مسز آصف جن کے افسانے آپ کے رسالے میں چھپا کرتے ہیں۔ اور میں ہی ثریا بیگم بھی ہوں جن سے آپ ملنے آئے ہیں"

اڈیٹر صاحب نے ٹوپی اتارتے ہوئے کہا "خدا کے لئے اس معمہ کو جلد حل کر دیجیے میرا دماغ چکر کھا رہا ہے۔ اس لئے کہ میں تقریباً دو ہزار روپے مذاق ہی مذاق میں اس مجموعہ پر صرف کر چکا ہوں"

میں نے کہا "تو اس میں گھبراتے یا مجموعہ پر روپیہ صرف کرنے کا کیا سوال ہیں۔ تو آپ کو ایک عجیب راز بتا رہی ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں ہی مسز آصف ہوں اور میں ہی ثریا بیگم ہوں۔ در اصل اس قصہ کو سن کر آپ دنگ رہ جائینگے"

اڈیٹر صاحب نے کہا "تو آپ خدا کے لئے جلد سے جلد دنگ کیجیے"

بانو کا یہ حال تھا کہ وہ اڈیٹر صاحب کی اس سراسیمگی کو دیکھ دیکھ کر ہنسی

کے مارے لوٹی جاتی تھی۔ اور میں خود بے حد لطف لے رہی تھی۔ آخر میں نے کہنا شروع کیا۔

قصہ دراصل یہ ہے کہ میرے شوہر مسٹر آصف صاحب کی دلی تمنا یہ تھی کہ ان کی بیوی انشا پرداز ہو اور ایسی انشاء پرداز کہ وہ اپنی سوسائٹی میں اس بیوی پر فخر کریں مگر اس کے لئے انھوں نے نہایت غلط طریقہ یہ اختیار کیا کہ بجائے مجھ کو انشاء پرداز بنانے کے خود ہی میری طرف سے افسانے لکھ لکھ کر چھپوانے لگے جن کا مجھے کوئی علم بھی نہ ہوتا تھا۔

اڈیٹر صاحب نے بات کاٹ کر تعجب سے کہا۔ یعنی مسز آصف کے نام سے جو افسانے چھپے ہیں وہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ مسٹر آصف کے تھے۔؟

میں نے کہا۔ جی ہاں ان میں سے ایک بھی میرا لکھا ہوا نہ تھا اور لکھنا کیا معنی عرض تو کیا کہ مجھ کو ان کی خبر بھی نہ ہوتی تھی تمام تر خط و کتابت خط بدل بدل کر خود آصف صاحب ہی کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ رسالہ تاج جو میرے نام آتا تھا وہ بھی مجھ کو کبھی نہیں ملا بلکہ بالا بالا خود آصف صاحب اس کو وصول کرتے تھے اور خود ہی ملاحظہ فرماتے مگر میں ان کی اس خلش کو محسوس کرتی تھی کہ وہ مجھ کو کیا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کی اپنی بیوی کے متعلق کیا خواہش ہے کہ وہ کیسی ہو لہذا ادھر میں نے اپنی سابق استانی اور موجودہ سہیلی بہن بانو سے جن کے یہاں آپ اس وقت تشریف رکھتے ہیں مشورہ لے کر افسانہ نگاری کی مشق شروع کی اور آخر اپنے ذاتی نام ثریا بیگم سے میں نے افسانے آپ کے رسالہ میں بھیجنا شروع کر دیئے۔

اڈیٹر صاحب نے سیب کی قاش منہ میں رکھ کر فرمایا اچھا اچھا پھر آصف صاحب کو کیوں کر خبر ہوئی۔

میں نے کہا ''بے خبر کہاں سنی یہی تو راز ہے جس سے آپ کو آج واقف کیا جا رہا ہے۔ ان کو آج تک یہ نہیں معلوم ہے کہ یہ ثریا بیگم کون ہیں۔ بس وہ اس قدر جانتے ہیں کہ یہ ثریا بیگم میری کوئی ہمنام افسانہ نگار ہیں بلکہ یہ ثریا بیگم ایک آدھ مرتبہ مسز آصف سے ملنے بھی جا چکی ہیں۔

بانو کو پھر ہنسی کا دورہ شروع ہوا اور اب تو میں بھی ہنسی پر قابو حاصل نہ کر سکی اس لیے کہ اڈیٹر صاحب پھر بھوچکا ہو چلے تھے اور ان کے کھلے ہوئے منھ کے اندر سے بیٹری جھانک رہی تھی۔ آخر انھوں نے جلدی جلدی ایک آدھ منھ چلا کر کہا۔

''آپ ہی ثریا بیگم۔ آپ ہی مسز آصف پھر ثریا بیگم مسز آصف کے یہاں مہمان کیوں کر گئیں صاحب عجیب طلسم ہے''

میں نے ہنستے ہوئے کہا'' میری یہ سہیلی اب تک ثریا بیگم بنی ہوئی ہیں۔ یعنی آصف صاحب ان ہی کو ثریا بیگم سمجھتے ہیں مجھ کو ان ہی کی مثال دے دے کر ذلیل کیا کرتے ہیں''

اڈیٹر صاحب نے کہا'' تو آصف صاحب کو آخر آپ نے اب تک لاعلم کیوں رکھا؟''

میں نے کہا'' یہ بھی افسانہ کا ایک پلاٹ تھا اور کس قدر عمدہ پلاٹ''

اڈیٹر صاحب نے کہا'' اچھا اب بقیہ پلاٹ کیا ہے؟''

میں نے کہا۔ پلاٹ تو ابھی طویل ہوتا مگر آپ نے اس قدر مجبوبہ کی اشاعت میں اس قدر جلدی کر کے اس افسانے کو یہیں پر ختم کرا دیا۔ اب اس کا پلاٹ یہ ہے کہ میں نے بحیثیت ثریا بیگم کے آصف صاحب ہی سے مقدمہ لکھوایا ہے۔ اور یہ پھر افسانہ ماں کے عنوان سے یہ تمام واقعہ خود قلمبند

کیا ہے۔ جو عرض حال کے طور پر مقدمہ کے بعد کتاب میں شامل ہوگا اس کے بعد ان حضرات کو ان تمام باتوں کا اس وقت علم ہوگا جب کتاب ان کے ہاتھ میں ہوگی۔"

اڈیٹر صاحب نے کہا: "واقعی بیحد دلچسپ پلاٹ ہے اور بڑا لطف آئے گا در اصل اس وقت تو آصف صاحب کا فلم لینے کے قابل ہوگا۔ جب وہ "عقد ثریا" کی جلد لئے ہوئے پڑھ رہے ہوں گے اور اس راز کا انکشاف ہونے کے بعد ان کے چہرے کا ایک رنگ آئے گا اور ایک جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ افسانہ ان حضرات کے لئے ایک دلچسپ سبق ہوگا جو آصف صاحب کی طرح خود اپنی بیوی کی بن کر قلم فرسائیاں کرتے ہیں اور احتیاط یہ رکھتے ہیں کہ برقعہ کے اندر سے مونچھیں بھی نظر نہ آئیں۔

میں نے کہا "آپ تو اس قدر محو حیرت بنے بیٹھے ہیں اور اس قدر اس پلاٹ میں گم ہیں کہ چائے بھی ٹھنڈی ہوئی جاتی ہے۔"

اڈیٹر صاحب نے چائے کا کش لیتے ہوئے کہا: "اچھا تو وہ مقدمہ آصف صاحب لکھ چکے۔"

میں نے مقدمہ اور "افسانہ" کا پیکیٹ پردہ کے باہر ہاتھ نکال کر ان کو دیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں یہ سب کاغذات اب حاضر ہیں۔"

اڈیٹر صاحب نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے کہا: "ایک آپ ملاحظہ فرمائیں۔"

میں نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں سو سو کے پانچ نوٹ تھے میں نے کہا: "یہ کیا۔؟"

اڈیٹر صاحب نے گردن جھکا کر کہا ۔ ایک غریب پبلشر کی طرف سے حقیر حق تصنیف ہے مجھ کو امید ہے کہ آپ اس کو قبول کر لیں گی ۔"

میں نے کہا "اڈیٹر صاحب اس رقم کو بھی کتاب کی اشاعت کے بعد کے لئے اٹھا رکھیئے تاکہ اس سلسلہ میں آصف صاحب سے بھی تبادلۂ خیال ہو سکے"۔

اڈیٹر صاحب نے کہا "اگر آپ یہ مناسب سمجھتی ہیں تو میں بطور امین کے اس امانت کو اپنے پاس رکھتا ہوں مگر بے حد نادم ہوں کہ اس قیمتی مجموعہ کا حق تصنیف میں اس قدر حقیر رقم پیش کر رہا ہوں ۔"

میں نے کہا "بہرحال یہ باتیں بعد کے لئے رہنے دیجئے پہلے تو آپ میرے افسانہ کو مکمل ہو جانے دیجئے ۔"

اڈیٹر صاحب نے لفافہ جیب میں رکھتے ہوئے رازداری کا پورا وعدہ کیا اور اجازت لے کر تشریف لے گئے میں بھی تھوڑی دیر کے بعد بانو کے یہاں سے چلی آئی ۔

---

(۱۰)

آصف صاحب اپنی جگہ پر عقد ثریا کے منتظر تھے اور میں اپنی جگہ پر فرق صرف اس قدر تھا کہ میرا انتظار ان پر ظاہر نہ تھا مگر میں ان کے انتظار کا پورا احساس رکھتی تھی کہ وہ کیوں کر یہ انتظار کے دن گذار رہے تھے۔

بہر حال یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ انتظار کے لمحات اس وقت ختم ہوئے جبکہ آصف صاحب گھر ہی میں بیٹھے ہوئے میرے ساتھ سہ پہر کی چائے پی رہے تھے۔ باہر سے ملازم نے آواز دی اندر ملازم نے ایک بنڈل لاکر آصف صاحب کے حوالہ کر دیا۔ اس بنڈل کو شاید آصف صاحب چائے سے فارغ ہو کر کھولتے مگر اس کے اوپر ہی "عقد ثریا" کا خوبصورت مطبوعہ لیبل چسپاں تھا لہٰذا کچھ نہ پوچھیے کہ کس اضطراب کے ساتھ آپ نے اس کو کھولنا شروع کیا معلوم یہ ہوتا کہ عین چائے کے وقت کسی اللہ کے بندے نے چاکلیٹ یا انڈے کیک بھیج دیئے ہیں مکھن لگانے کی کند چھری سے جب اس کو نہ کھول سکے تو دوسرے چاقو کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ دانتوں ہی سے اس بنڈل کو نوش فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ بنڈل کھول کر اس خوبصورت جلد کو نکال لیا جو واقعی اس قدر خوبصورت تھی گویا سجی ہوئی چوتھی کی دلہن میں نے غور سے اس کی جلد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے یہ —؟"

آصف صاحب نے میرے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھ کر گویا خود اپنے ہی سے کہا۔

"واقعی جس قدر خوبصورت کتاب ہے ویسی ہی شائع بھی ہوئی ہے"

میں نے پھر کہا "کون سی کتاب ہے۔؟"

آصف صاحب نے لاپروائی سے کہا "یہ کتاب ثریا بیگم کے افسانوں کا مجموعہ ہے"

میں نے ہاتھ بڑھا کر کہا "دیکھوں"

آصف صاحب نے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا "کیا خوب گویا میں دیکھنا ہی نہیں جانتا"

میں نے چائے کی پیالی اٹھا کر پینا شروع کردی اور آصف سے بھی کہا۔

"چائے ٹھنڈی ہورہی ہے"

آصف صاحب نے چائے کے متعلق یاددہانی کا جواب دیا۔ "واقعی بہت عمدہ چھپی ہے اور جلد بھی خوب ہے"

میں نے پھر شرارتاً کہا "میں کہتی ہوں چائے پانی ہوئی جاتی ہے"

آصف صاحب نے اس کے جواب میں جلد کی پشت کا معائنہ شروع کر دیا اور اس کی مخملی سطح کو سہلا کر بولے۔

"اس اہتمام سے اردو کی کتابیں کم چھپتی ہیں"

میں نے اپنی پیالی ختم کرکے ان کی پیالی اٹھائی اس لئے کہ وہ واقعی اب بیکار ہوجانے کے قریب تھی مگر آصف صاحب کو کتاب کی محویت میں اس کی بھی خبر نہ ہوئی اور وہ بدستور اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے آخر کار انھوں نے کتاب کو کھول کر دیکھنا شروع کیا پہلا ہی صفحہ ایک مرتبہ خاموشی سے پڑھنے

کے بعد نہایت تعجب کے ساتھ بلند آواز سے پڑھا۔

اگر اس کو خودستائی نہ سمجھا جائے تو منسوب کرتی ہوں میں اس مجموعہ کو مسز آصف کے نام سے اور مسز آصف پر اتنا دعویٰ رکھتی ہوں کہ خود ہی قبول کرتی ہوں اس انتساب کو۔"

ثریا بیگم

انتساب کو پڑھ کر خود ہی بولے "یہ کیا بات ہوئی"

میں نے انتہائی جاہلانہ طریقہ پر کہا "یہ میرا نام کیوں لکھ دیا۔

آصف صاحب نے تحقیر کے ساتھ کہا "اپنی تصنیف کی بلندیوں کو پستیوں سے آمیز کرنے کے لئے یا اپنے مجموعہ کی قسمت پھوڑنے کے لئے"

میں نے بدستور کہا میں کچھ نہیں سمجھی"

آصف صاحب نے جل کر کہا "ارے صاحب اس غریب نے مارے خلوص کے اپنے اس مجموعہ کو آپ کے نام سے معنون کیا ہے مگر آپ تو معنون ہی کو نہ سمجھی ہوں گی کہ یہ جانور کس ملک میں پایا جاتا ہے اور کیا کھاتا ہے بہر حال وہ آپ کو وہ عزت دی گئی ہے۔ جو آپ کو خواب میں بھی نصیب نہ ہو سکتی تھی"

میں نے تعجب کے ساتھ کہا "تو اس سے کیا ہوگا"

آصف صاحب نے منہ بنا کر کہا "اب میں آپ کو بتاؤں کہ کیا ہوگا آپ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتیں میں تو حیران ہوں کہ آخر اس غریب نے بھینس کے آگے بین کیوں بجائی ہے"

آصف صاحب تو یہ کہہ کر نہایت دل شکستگی کے ساتھ چلے گئے اور کتاب بھی اپنے ساتھ ہی بلکہ اپنے سینے سے لگائے چلے گئے اور ادھر مجھ کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ اب وہ باہر جاتے ہی اس راز سے آگاہ ہو جائیں گے۔ اور

"افسانہ تا پڑھتے ہی بوکھلائے ہوئے میرے پاس آئیں گے لہذا اس تماشہ کو دیکھنے کے لیے بانو کو کس طرح بلاؤں دراصل اڈیٹر صاحب رسالہ تاج کو چاہیے تھا کہ وہ پہلے ہی سے مجھ کو مطلع کر دیتے تاکہ میں اس آخری منظر کے لیے اپنے پروگرام کو مرتب رکھتی مگر خود بھی تو بھول گئی تھی کہ ان سے خود ہی کہلوا دیتی یا جب وہ چائے پر آئے تھے اسی وقت طے کر لیتی۔

بہرحال میں نے بانو کے نام فوراً ایک پرچہ لکھا اور اس کو بھیجنے ہی والی تھی کہ بانو خود ہی اس طرح آموجود ہوئیں کہ واقعی میں اپنی کشش کی اس صداقت پر حیران رہ گئی۔

بانو کے ہاتھ میں بھی عقد ثریا کی ویسی ہی جلد تھی لہذا مجھے یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی کہ اڈیٹر صاحب ہی کی تحریک سے یہ بیگم صاحبہ بھی عین وقت پر آئی ہیں،

میں نے بانو کو دیکھتے ہی کہا: "میں تو تم ہی کو پرچہ لکھ رہی تھی"

بانو نے کہا: "اگر کہو تو پرچہ کا مضمون میں خود بتا دوں"

میں نے کہا: "میں خود سمجھ چکی ہوں کہ آپ کو سب اطلاع ہے کاش اس وقت اڈیٹر صاحب بھی آجاتے"

بانو نے کہا: بس آتے ہی ہوں گے ان کا خط پاتے ہی میں چلی آئی ہوں۔

اچھا یہ بتاؤ کہ تماشا ختم تو نہیں ہوگیا"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "نہیں ابھی نہیں ختم ہوا ابھی تو صرف انتساب پر ایک معمولی سی جھڑپ ہوئی ہے"

یہ کہہ کر میں نے انتساب کے سلسلہ کا تمام لطیفہ بانو کو سنا دیا۔ اور وہ ہنستی رہی اور سنتی رہی۔

آخر اس قصہ کے بعد بانو نے نہایت اضطراب کے ساتھ پوچھا "تو کیا اب تک

ان عقل کے دشمن کو کچھ سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔"

میں نے کہا: "آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرا شوہر بچوں کی طرح معصوم اور بھولا ہے۔"

بانو نے شرارت سے کہا: "بہن معاف کرنا ایسا بیوقوف میرا شوہر ہوتا تو میں شرم کے مارے گردن جھکا لیتی۔"

عین اسی وقت آصف صاحب جو گھر میں داخل ہوئے تو میں نے ان کو وہیں سے للکار کر کہا۔

"پردہ ہے پردہ۔ وہیں رہئے گا۔"

آصف صاحب نے کہا: "کیوں آخر کون ہے؟"

میں نے کہا کوئی بھی ہو آپ سے بہرحال پردہ کرنے والا کوئی ہے۔"

آصف صاحب نے کہا: "بہتر ہے یہی سہی مگر آپ تو یہاں تشریف لائیں۔"

میں نے کمرہ کے اندر سے کہا۔ "کیوں آخر کام کیا ہے۔ آپ فرمائیے نا۔"

آصف صاحب نے کہا: "اچھا تو آپ وہیں رہئے گا۔ میں اڈیٹر صاحب تاج کو اندر ہی بلائے لیتا ہوں۔"

میں کوئی جواب نہ دینے پائی تھی کہ وہ الٹے پیروں تشریف لے گئے اور فوراً ہی اڈیٹر صاحب کو ہمراہ لئے ہوئے اندر آ گئے۔ اڈیٹر صاحب اس وقت بار بار ہنس رہے تھے اور آصف صاحب کا اس وقت یہ حال تھا کہ گویا حیرت کی وجہ سے خود ہی عجوبہ روزگار ہو کر رہ گئے تھے۔

اڈیٹر صاحب نے گھر میں آ کر گول کمرہ میں بیٹھتے ہوئے آصف صاحب سے کہا۔ "ذرا بیگم صاحبہ سے سلام تو کہلوا دیجئے۔"

آصف صاحب نے کہا: "غالباً آپ کی آواز وہ خود سن رہی ہوں گی۔"

میں نے بغلی کمرہ سے کہا "میں بھی آداب عرض کرتی ہوں اور میری سہیلی بانو بھی تسلیم کہتی ہیں"

ایڈیٹر صاحب نے کہا "صاحب آپ کی وجہ سے آج ہمارے مولانا آصف صاحب نے کہا "آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں دراصل ناراض نہیں ہوں۔ مگر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر میں بیوقوف کیوں بنایا گیا؟

بانو نے میرے کان میں اور میں نے بہ آواز بلند کہا"
بانو کہتی ہیں کہ یہ تو کوئی ایسا پوچھنے کا سوال نہیں ہے جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہی ہے"

آصف نے کہا "مگر واللہ مجھ کو حیرت ہے اور اگر میں سو نہیں رہا ہوں یعنی یہ خواب نہیں ہے تو سخت تعجب ہے"

اڈیٹر صاحب نے کہا "خیر یہ تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ خواب نہیں ہے۔ بلکہ خواب کی تعبیر ہے۔ وہ خواب جو عرصہ سے آپ دیکھ رہے تھے"

آصف صاحب نے کہا "یہ تو میں جانتا تھا کہ یہ حضرت بلا کی ذہین ہیں"

میں نے بات کاٹ کر کہا "خیر اب بخشئے مجھ کو اور للہ ایسا سفید جھوٹ نہ بولئے آپ مجھ سے زیادہ کند ذہن شاید ہی کسی کو سمجھتے ہوں"

آصف صاحب نے کہا "یہ تو میں صرف کہتا تھا"

میں نے کہا "نہیں بلکہ آپ سمجھتے بھی تھے اور یہی سمجھ کر میری طرف سے آصف صاحب نے پھر حیرت زدہ ہو کر کہا "ابھی آدھ گھنٹہ پہلے تک مجھ کو بے وقوف بنایا گیا تھا"

ایڈیٹر صاحب نے کہا "بہر حال اب کی میں اعلان کر دوں گا کہ مسز آصف کے نام سے جتنے افسانے شائع ہوئے ہیں ان میں کتابت

کی غلطی سے "مسٹر" کے بجائے مسز ہمیشہ چھپ گیا ہے ناظرین تصیح فرمائیں"

آصف صاحب نے ہنس کر کہا "کیا عرض کیا جائے خود تو آپ اچھی رہیں اور مجھ کو کہیں نہ رکھا"

ایڈیٹر صاحب نے اپنی جیب سے وہی پانچ سو کے نوٹوں والا لفافہ نکالتے ہوئے آصف صاحب سے کہا۔

جناب والا! یہ قصہ آپ ہی پر ملتوی تھا۔ اب امید ہے کہ آپ سفارش کردیں گے کہ یہ حقیر رقم ایک پبلشر کی طرف سے قبول کرلی جائے"

آصف صاحب خدا جانے کیا جواب دیتے مگر میں نے خود ہی کہہ دیا میری رائے میں تو اس رقم سے آپ مسز آصف کے نام کے تمام افسانوں کا مجموعہ مسٹر آصف کے نام سے شائع کردیں اس سے بہتر مصرف اس رقم کا اور کچھ نہیں ہوسکتا"

ایڈیٹر صاحب نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ آصف صاحب بول اٹھے۔

جناب یہ غلط ہے یہ رقم میری ہے اس لئے کہ میں کافی بیوقوف بنایا گیا ہوں اور واضح رہے کہ میں بلا اجازت بیوقوف نہیں بنتا"

میں نے رقم تو بہرحال اڈیٹر صاحب کو واپس کر ہی دی مگر اس واقعہ کے بعد سے آصف صاحب کے چہرے پر ہمیشہ سوالیہ نشان مجھ کو نظر آتا رہا۔

ختم شد

شوکت تھانوی کی دوسری کتابیں

بڑھبس • خدانخواستہ • سسرال

بڑھبس	خدانخواستہ	سسرال
ناول	ناول	ناول
چار روپیہ	چھ روپیہ	دو روپیہ پچاس پیسے

سپنے • غزالہ • کُتیا

سپنے	غزالہ	کُتیا
ناول	ناول	ناول
چھ روپیہ	سات روپیہ	چھ روپیہ

کارٹون

چھ روپیہ

مزاحیہ مضامین کے مجموعے

مونڈھی کاٹے	گرگٹ	شیطان کی ڈائری
Rs 2/-	Rs 2/-	Rs 2/-

نسیم انہونوی

کے اصلاحی اور سبق آموز ناول جنہیں ہر گھر میں بلا تکلف پڑھا جا سکتا ہے۔

آفاق • ارمان • بانو • پرایا دھن • تمنا

۴/-   زیر طبع   ۹/-   زیر طبع   ۸/-

حسینہ • خاتون • رحمت • شبنم • سراب زندگی

۵/-   زیر طبع   ۵/-   ۳/۵۰   ۵/۵۰

شبانہ • شگفتہ • مہتاب • مہ پارہ • کہکشاں

۸/-   ۴/-   ۶/-   ۶/-   زیر طبع

نجم السحر • مس طلعت • نشاط • طرز زندگی

زیر طبع   ۶/-   زیر طبع   ۶/-

شوہر کا روگ • حسرت

۲/-   ۴/-

نسیم انہونوی
کا نیا ناول
حسرت
دلچسپ، اصلاحی، سبق آموز
۱۴
روپے
نسیم بک ڈپو لکھنؤ